



امّت میں اُلُحْشادِی و عملی پکار
اور
علماءِ اُمّت کی ذمہ داری

محمّد رشید الدین خاں مہدی

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

امت میں اعتقادی و عملی بگاڑ

اور

علماء امت کی ذمہ داری

از قلم:

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

(ہائی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور)

و خلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

امت میں اعتقادی و عملی ہکا بکا ز اور علماء امت کی ذمہ داری	:	نام کتاب
حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم	:	مصنف
	:	سائز
۱۷۸	:	صفحات
ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق جنوری ۲۰۱۴ء	:	تاریخ طبعیت
مکتبہ مسیح الامت دایہ بندو بنگلور	:	ناشر
9634307336 9036701512	:	موبائل نمبر
maktabahmaseehulummat@gmail.com	:	ای۔میل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

۹	پیش گفتار
۱۱	تقدیم
۱۳	پہلا باب
	ایمان و عقیدے میں بگاڑ
۱۴	پہلی فصل
۱۴	● توحید، اسلام کا اساسی عقیدہ
۱۵	● جھنڈوں اور پنجوں پر یقین
۱۶	● قال اور عالموں کا دور دورہ
۱۷	● مزار استوا لیا، اللہ، غلو پسندی کے مظاہر
۲۲	● جھوٹی قبروں، طاقوں اور درختوں کی نذر و نیاز
۲۳	● کڑوں، انگوٹھیوں اور دھاگوں پر اعتماد

۲۵ ﴿عورتوں میں بدعتیہ کی گنجائش﴾

۲۷

دوسری فصل

ایمان کی کمزوری اور وہم پرستانہ نظریات

۲۷ ﴿دنوں اور تاریکوں کو منحوس جاننا﴾

۲۸ ﴿ایک اہم علمی فائدہ﴾

۳۲ ﴿گھروں کو منحوس سمجھنا﴾

۳۲ ﴿بدقالی کی جاہلیت﴾

۳۳ ﴿گھر میں نحوست کا عقیدہ﴾

۳۴ ﴿عورت کے مبارک یا منحوس قدموں کا عقیدہ﴾

۳۴ ﴿”واستو“ کا بے ہودہ عقیدہ﴾

۳۶

تیسری فصل

ذہنی ارتداد کی خطرناک لہر

۳۷ ﴿ذہنی ارتداد کی چند مثالیں﴾

۴۰ ﴿حضرت مفکر اسلام کا فکر انگیز بیان﴾

۴۱

چوتھی فصل

عملی ہگاڑ کے افسوس ناک نمونے

۴۱ ﴿بدعات و رسومات کی گرم بازاری﴾

۴۲ ﴿عبادات شرعیہ میں ہماری کوتاہی﴾

- ۴۴ ﴿ معاملات میں خرابیاں
- ۴۶ ﴿ باب معاشرت و اخلاق اور ہم
- ۴۷ ﴿ نکاح، جہیز و جوڑا
- ۴۹ ﴿ طلاق ایک تماشا
- ۵۱ ﴿ ہماری تہذیب و تمدن

۵۳

پانچویں فصل

موجودہ اسلامی معاشرے پر جاہلیت کے آثار

۵۶

چھٹی فصل

غربتِ اسلام کا زمانہ اور ایک نبوی پیش گوئی

۶۱

ساتویں فصل

کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو

۶۸

دوسرا باب

امت میں موجود بگاڑ کے اسباب

۶۹

﴿ علم وین سے ناواقفیت

۷۰

﴿ علماء ربانین سے بدظنی و بے تعلقی

۷۶

﴿ علماء سوء کی رخنہ اندازیاں

۷۹

﴿ اہل حق اور علماء سوء کے درمیان حد فاصل

۸۱

﴿ جاہل و گمراہ صوفیاء کا فتنہ

- ۸۴ ﴿وین میں غلو کا فتنہ﴾
- ۹۱ ﴿اسکول و کالج ایمان کے لیے قتل گاہیں﴾
- ۹۴ ﴿ڈش، ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائیل﴾

تیسرا باب

اصلاحی اقدام کی ضرورت

اور علماء امت کی ذمہ داریاں

- ۱۰۵ ﴿تبلیغ کے دوارکان: امر بالمعروف ونہی عن المنکر﴾
- ۱۰۷ ﴿حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تشریح و توضیح﴾
- ۱۱۰ ﴿ترک امر بالمعروف ونہی عن المنکر تحریف دین کا سبب ہے﴾
- ۱۱۳ ﴿صلح کل ہونا کوئی بزرگی نہیں، بے دینی کی بات ہے﴾
- ۱۱۵ ﴿مسلمہ اہل سنت کی حفاظت و اشاعت﴾
- ۱۲۷ ﴿اہل باطل کی تردید تفرقہ بازی نہیں﴾

چوتھا باب

(۱) اکابر اسلاف کا باطل فرقوں و بدعات

کے خلاف محاذ

- ۱۲۸ ﴿متشابہات میں کلام کرنے والوں پر حضرت عمرؓ کی سختی﴾
- ۱۲۹ ﴿حضرت عمرؓ نے فتنے کے خوف سے درخت کٹوا دیا﴾
- ۱۳۰ ﴿حضرت عمرؓ کی منکر نقدیر کو تہدید﴾

- ۱۳۰ ﴿مدعیانِ حلول کو حضرت علیؑ نے جلانے کی سزا دی﴾
- ۱۳۲ ﴿خوارج سے حضرت علیؑ کا قتال﴾
- ۱۳۳ ﴿حضرت ابن عمرؓ کا قدریہ فرقے سے اعلانِ برأت﴾
- ۱۳۳ ﴿حضرت ابن عباسؓ کا جبریہ فرقے سے اختلاف﴾
- ۱۳۴ ﴿بدعتی لوگوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا رویہ﴾
- ۱۳۷ ﴿حضرت ابویوب انصاریؓ کی مروان ابن الحکم کو تنبیہ﴾
- ۱۳۷ ﴿حضرت حسن بن علیؓ کا جبریہ فرقے کے نام خط﴾
- ۱۳۸ ﴿حضرت ابوسعید خدریؓ کی ترکِ سنت پر تنبیہ﴾
- ۱۳۹ ﴿حضرت سعید ابن المسیبؓ کی حجاج بن یوسف کو تنبیہ﴾
- ۱۴۰ ﴿ریشمی چادر پر امیرِ افرم کو ایک عالم کی تنبیہ﴾
- ۱۴۱ ﴿امام احمد رحمہ اللہ اور مسئلہ خلقِ قرآن﴾
- ۱۴۵ ﴿علامہ عزالدین اور صدائے حق﴾
- ۱۴۹ ﴿امام علی المرتضیٰ و علامہ طاہر عثمانی کی مہدویت کے خلاف جدوجہد﴾
- ۱۵۰ ﴿امام ربانی مجدد الف ثانی کے مجددانہ کارنامے﴾
- ۱۵۳ ﴿(۲) علماء دیوبند کا فرق باطلہ و بدعات کے بارے میں موقف﴾
- ۱۵۴ ﴿عیسائی پادریوں کا فتنہ اور اس کا تعاقب﴾
- ۱۵۵ ﴿آریہ سماجی فتنہ اور علماء کا اس کے خلاف محاذ﴾

- ۱۵۷ ﴿﴾ محدھی و سنکھنن کا فتنہ اور علماء کی اس کے خلاف سرگرمیاں
- ۱۵۸ ﴿﴾ قادیانیت اور اس کا مقابلہ
- ۱۶۲ ﴿﴾ شیعیت کا فتنہ اور اس کا مقابلہ
- ۱۶۳ ﴿﴾ جاہلانہ بدعات و رسومات کا فتنہ
- ۱۶۵ (۳) بنگلہ و کرناٹک میں بدعات و شرکیات کا ماحول
اور علماء حق کے کارنامے
- ۱۷۱ (۴) علماء حق کی جانب سے اہل باطل کا تعاقب
- ۱۷۴ خاتمہ
- دواہم و ضروری تنبیہات



پیش گفتار

زیر نظر کتاب ”امت میں اعتقادی و عملی بگاڑ اور علماء امت کی ذمہ داری“ نام ہی سے اپنے موضوع و مضمون کی نشاندہی و وضاحت کر رہی ہے اور اس کی اہمیت بھی ہر اس شخص کے نزدیک واضح ہے، جو امت کے متغیر حالات و مملون کیفیات کا جو دن بدن تنزلی و ابتری کی جانب رخ کرتے جا رہے ہیں۔ متحسّس نگاہوں سے اور متیقظ دل سے مطالعہ کرتا ہو اور اسی کے ساتھ ان حالات و کیفیات کو بدلنا چاہتا ہو اور اسلامی نقطہ نظر سے ان میں اصلاح و تزکیہ کا خواہش مند ہو۔

یہ مختصر کتاب امت کے ان بگڑے ہوئے احوال کی نہ کوئی مفصل جائزہ ہے اور نہ ان احوال کا کوئی مکمل علاج؛ بلکہ یہ درحقیقت ان احوال و کیفیات کا ایک سرسری جائزہ ہے اور ان کی طرف ایک مجمل اشارہ ہے۔ اور اس سے مقصود حضرات علماء امت کی توجہات کو جنہیں وارثین انبیاء کہا گیا ہے اور نیز امت کے دیگر سنجیدہ و فکر مند افراد و اشخاص کی توجہات کو اس جانب مبذول کرانا ہے، تاکہ اس اعتقادی و عملی بگاڑ کی روک تھام کے لئے کوئی مستحکم و مضبوط اجتماعی قدم اٹھایا جاسکے، اور اصلاحی و دعوتی مشن و تحریکات کو منظم کیا جاسکے۔

اسی مقصد کے پیش نظر یہ تحریر شائع کی جا رہی ہے، مجھے امید ہے کہ علماء کرام اور

ملت کے اصحاب فکر و دانش حضرات ان معروضات پر غور کریں گے۔
 وعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سبھی کو حساس دماغ، فکر مند دل اور ترجمان حق زبان عطا
 فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد شعیب اللہ خان
 الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور۔
 ۱۵/شوال ۱۴۳۴ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقدیم

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی رسولہ محمد

سید المرسلین ، اما بعد :

اسلام کی آمد سے قبل لوگ جاہلیت کے شکار تھے، اور وہ دور دور جاہلیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کے عناصر میں جہالت و لاعلمی، بے ایمانی و بے یقینی، فسق و فجور و بے حیائی، تہذیب و شائستگی سے بعد و دوری، اخلاقی اقدار کی گراوٹ و کمزوری، مادیت پرستی و دنیا طلبی وغیرہ چیزیں شامل و داخل تھیں، جن کے نتیجہ میں پورا معاشرہ انتہائی خطرناک قسم کے جرائم و رذائل کا مرتکب بنا ہوا تھا، اور جرائم بھی صرف انفرادی حیثیت کے نہیں، بلکہ اجتماعی قسم کے تھے۔ ایک طرف پورا سماج اپنے خالق و مالک سے بے تعلقی و دوری، غفلت و ناسپاسی کا شکار تھا، تو دوسری جانب انسانیت کے اصول اور شرافت کے اقدار سے بھی کوسوں دور ہو چکا تھا اور قتل و عارت گری، عداوت و دشمنی، قطع رحمی و قساوت قلبی، نزاع و لڑائی وغیرہ رذائل و جرائم ان لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے۔ یہی وہ امور ہیں، جن کے تسلط و غلبہ نے اس دور و زمانے کو جاہلیت کا دور بنا دیا تھا۔

مگر موجودہ زمانہ جو ترقیات و تطورات کا زمانہ کہلاتا ہے، سائنسی و عصری علوم کی بہتات کا زمانہ کہا جاتا ہے اور مختلف قسم کی نئی نئی ایجادات و مصنوعات کی ریل پیل کا

دور مانا جاتا ہے، اس میں غور کیا جائے، تو جاہلی دور کے وہ سارے عناصر یہاں بھی کارفرما نظر آتے ہیں اور پوری شدت و قوت کے ساتھ اپنا کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ علم و عقل کی روشنی کا دور ہے، مگر جہالت و ضلالت کی تاریکیاں یہاں بھی پورے طور پر اپنا اڈہ بھائی ہوئی ہیں۔

اس سے زیادہ قابل افسوس و حیرت یہ ہے کہ امت اسلامیہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت وسط اور امت خیر کے بلند القاب کے ساتھ ملقب کیا گیا تھا، اور جس کی بعثت ہی خیر و بھلائی کی تبلیغ و دعوت، معروفات کی نشر و اشاعت اور منکرات کے ازالے اور روک تھام کے لئے ہوئی تھی اور جس کے حق میں یہ کہا گیا تھا کہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

(آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو، جس کو لوگوں کے نفع کے لئے برپا کیا گیا ہے، تم اچھی باتوں کا حکم کرتے اور بری باتوں سے روکتے ہو اور خود بھی اللہ پر ایمان لاتے ہو)

آج اس امت کا ایک بڑا طبقہ جاہلیت و جہالت کی ان وادیوں میں بھٹکتا اور گمراہی و ضلالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ان کی زندگیوں میں وہی جاہلی عناصر موجود ہیں، وہی بے ایمانی و بے یقینی، وہی خدا سے بعد و دوری، وہی مادیت پرستی و دنیا طلبی، وہی اخلاقی گراؤ و کمزوری، وہی نفس و بے حیائی، وہی ظلم و زیادتی، وہی عدوان و سرکشی، وہی بغض و دشمنی، وہی قتل و عارت گری یہاں بھی نظر آتے ہیں، جو وہاں موجود تھے۔

اس صورت حال کی عکاسی کسی عربی شاعر کا یہ شعر پوری طرح سے کر رہا ہے،

گویا خود ہر صاحب ایمان کے دل کی صدا ہے:

لِيْمَلْ هَذَا يَذُوبُ الْقَلْبُ مِنْ حَمْدِ

إِنْ كَانَ فِي الْقَلْبِ إِسْلَامٌ وَ إِيْمَانٌ

(اگر دل میں اسلام و ایمان کا کوئی بھی حصہ موجود ہو، تو اس جیسی صورت حال پر دل غم کے مارے کھٹکنے لگتا ہے)

چنانچہ جائزہ لیجئے، تو معلوم ہوگا کہ عقائد و ایمانیات کا باب ہو یا اعمال و عبادات کا، معاشرت کا باب ہو یا معاملات کا، اخلاقیات کا باب ہو یا سیاسیات کا، ہر باب میں ہم اسلامی رہنمائی و ہدایت، اسکی تعلیم و تلقین اور اسکے احکام و فرامین سے دور ہو چکے ہیں یا دور ہوتے جا رہے ہیں؛ بلکہ اب بہت سے لوگ کسی چیز میں یہودی فلسفے کو اپناتے ہیں، تو کسی میں نصاریٰ کو قائل مانتے ہیں، کسی چیز میں امر کی نظریات کا سہارا لیتے ہیں، تو کسی میں ہندومت کا حوالہ لیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ ہمارے اندر سے حاسہ مکہ بھی مفقود ہو چکا ہے، دینِ طلبی کی جگہ دینِ بیزاری نے لے لی ہے، روحانیت کا ہم نے مادیت سے تبادلہ کر لیا ہے، ذوقِ خدا طلبی نے دنیا طلبی کے لئے جگہ خالی کر دی ہے، فکر آخرت پر حب دنیا غالب آ چکی ہے۔

اس طرح موجودہ مسلم معاشرے کی بنیاد خالص اسلام کے بجائے - ایسا لگتا ہے کہ - مختلف افکار و نظریات، جدید رجحانات و خیالات اور جاہلانہ رسومات و رواجات کا ایک مرکب بن گئی ہے۔ امت کا جو پرانا طبقہ ہے، وہ تو رسم و رواج، بدعات و لغویات کے چکر میں پڑا ہوا ہے، جبکہ نئے ذہن کے لوگ جدت پسندی، نئے افکار و رجحانات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

پہلا باب

ایمان و عقیدے میں بگاڑ

ان امور میں سے سب سے زیادہ قابل لحاظ عقائد و ایمانیات کا باب ہے؛ کیونکہ عقائد و ایمان پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ اگر عقیدہ صحیح و مضبوط ہے، تو اعمال و عبادات بھی قابل اعتبار ہوتے ہیں؛ ورنہ ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا؛ لیکن جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں، تو لگتا ہے کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے توحید و شرک کے اس فرق و امتیاز سے واقف نہیں، جو اسلام کی لطیف و عمیق تعلیم نے پیش کی ہے؛ اس لئے بہت سے اہل اسلام توحید سے دور اور شرک سے بہت قریب ہو چکے ہیں؛ بلکہ شرک جلی کے منحوس اثرات سے بھی بعض لوگ متاثر نظر آتے ہیں۔ خصوصاً عورتوں میں ایمان کی کمزوری، اعتماد علی اللہ و توکل علی اللہ کا فقدان، مظاہر و مقابہ پرستی کا رجحان حیرت ناک طریقہ پر اپنے عروج کو پہنچا ہوا ہے۔

پہلی فصل

توحید اسلام کا اساسی عقیدہ

اس امت کی بنیاد و اساس اس عقیدہ توحید پر قائم ہے، جس میں شرک کے نام کی بھی گنجائش نہیں۔ وہ عقیدہ توحید جو بڑا حساس و نازک ہے، جس نے دیگر مذاہب کے لحاظ سے اس سلسلہ میں ایک امتیازی تعلیم پیش کی ہے۔

اس عقیدے کی جامع ترین تعریف علامہ حافظ ابن احمد حکمی نے بیان کی

ہے، وہ اللہ کے احد و فرد ہونے کی تشریح یوں کرتے ہیں:

”الْاَحَدُ الْفَرْدُ : الَّذِي لَا حِدَّ لَهُ ، وَلَا نِدَّ لَهُ ، وَلَا شَرِيكَ لَهُ ، فِي الْهَيْئَةِ ، وَرُبُوبِيَّتِهِ ، وَلَا مُتَصَرِّفَ مَعَهُ فِي ذَرَّةٍ مِنْ مَلَكُوتِهِ ، وَلَا شَبِيهَ لَهُ ، وَلَا نَظِيرَ لَهُ فِي شَيْءٍ مِنْ اَسْمَائِهِ ، وَصِفَاتِهِ“

(وہ یکما و تنہا ہے، جس کا اس کی عبادت یا ربوبیت میں نہ کوئی مقابل ہے، نہ برابر ہے، نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس کے ساتھ اس کی حکومت کے کسی ذرہ میں کوئی تصرف کرنے والا ہے اور نہ اس کے ناموں و صفاتوں میں اس کی کوئی مثال و نظیر ہے)۔

(معارج الوصول: ۸۸۸)

اس بیان سے توحید کی شرعی تعریف بالکل واضح ہو گئی اور اس کا خلاصہ یہی کہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی، اپنے ناموں میں بھی اور کاموں میں بھی ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ (کوئی شئی اس کے مثل نہیں ہے) کا مصداق، اور ہر لحاظ سے ”وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ ہے۔

اس تعریف کو پیش نظر رکھ کر جب امت کے لوگوں کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو بہت سے لوگوں میں اس عقیدے کے خلاف غالباً نہ رجحانات و مشرکانہ خیالات، افعال و اعمال، طور طریقے ملتے ہیں۔ یہاں چند امور کی جانب صرف اشارہ کرتا ہوں، جن سے صورت حال پر روشنی پڑتی ہے۔

جھنڈوں اور پنچوں پر یقین

ایمان و توحید سے روگردانی کرتے ہوئے بعض جاہل و نادان لوگ بزرگوں

کے نام کے جھنڈے بناتے اور اپنے گھروں یا دکانوں یا کسی اور جگہ ان کو گاڑتے ہیں اور بعض لوگ امام حسین اور ان کے خاندان کے لوگوں کے نام کے پنچے (یعنی سرو ہاتھ یا چہرہ وغیرہ اعضاء کے نقشے) بناتے ہیں اور تعزیہ بھی تیار کرتے ہیں اور قبروں کی طرح ان کی بھی نذر و نیاز، منت و چڑھاوا، طواف و سجدہ وغیرہ سب کچھ کیا جاتا ہے، اور ان کی عقیدت و محبت کو دین کا ایک جزء سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ دین کا بھی صرف نام ہی نام لیا جاتا ہے اور درحقیقت یہ لوگ دین کے نام سے بیزار ہوتے ہیں اور صرف اسی قسم کی چیزوں کو مانتے اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

قال اور عالموں کا دور دورہ

امت مسلمہ کی زبانوں میں حالی میں اضافہ اور ان کی ایمانی کمزوری میں بڑھاوے کا ایک بہت بڑا ذریعہ امت میں پھیلے ہوئے پیشہ ور عالمین اور قال دیکھنے والے ہیں، ان لوگوں نے امت کو شرک کی ایک اور دنیا میں پہنچا دیا ہے، ان میں جو موٹی موٹی باتیں اس قبیل کی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) بیشتر پیشہ ور عالمین کا عمل جنات و شیاطین سے استمداد و استعانت سے ہوتا ہے، یہ شرک ہے۔

(۲) اکثر عامل غیب کی خبریں قال کی بنیاد پر بتاتے ہیں اور لوگ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان سے جا جا کر غیب کی باتیں پوچھتے ہیں کہ چوری ہوگئی ہے، اس کے بارے میں بتائیے کہ چور کون ہے؟ فلاں شخص غائب ہو گیا ہے، بتائیے کہ کہاں گیا ہے؟ وغیرہ، اور اس کے لئے یہ عامل لوگ بعض وقت انجن دیکھتے اور بعض وقت کسی اور طریقے سے عمل کر کے بتاتے ہیں کہ چوری فلاں نے کی اور فلاں شخص وہاں ہے یا تم پر فلاں نے جادو کیا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں گھر ٹوٹ جاتے اور رشتہ

داریوں میں پھوٹ بھی پڑ جاتی ہے۔

اور پھر اس معاملہ میں بعض عامل لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے قرآنی آیات و ادعیہ کا ثورہ بھی پڑھتے ہیں؛ تاکہ عوام یہ سمجھیں کہ یہ قرآن و اسلامی عمل ہے۔ یہ سب کا سب دھوکہ ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں سے ایک بات پوچھی تھی اور اس نے جو بتائی، وہ اسی طرح ثابت ہوئی؛ لہذا یہ سب سچ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کسی بات کا سچ نکل آنا، اس کی دلیل نہیں کہ سب کچھ حق ہے؛ کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کافروں کے بارے میں بتایا کہ شیاطین ان کے کان میں فرشتوں سے سنی ہوئی کوئی بات اپنی جانب سے ننانوے جھوٹ ملا کر ڈال دیتے ہیں اور وہ کافروں کا ہن لوگ جب بیان کرتے ہیں تو ایک دو سچی باتیں بھی ظاہر ہوتیں ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ سب حق ہی حق ہے۔

(بخاری: ۳۲۱۰، مسلم: ۵۹۵۳، مسند احمد: ۲۴۶۱۴)

(۳) ان عاملین کے پاس جو اپنی مصیبت و پریشانی لیکر جاتا ہے، اس کو یہ لوگ غیر شرعی و شرکیہ اعمال بھی بتاتے ہیں کہ یہ کرو، مثلاً کچھ عجیب قسم کے اُتارے اور چڑھاوے، نیز مزارات پر حاضری، اور وہاں نذر و منت ماننا وغیرہ۔ اس طرح یہ عاملین اس شرک کے کاروبار میں لوگوں کو ڈھکیلتے رہتے ہیں۔

مزاراتِ اولیاء اللہ غلو پسندی کے مظاہر

اولیاء اللہ کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر کے ان کی عقیدت و محبت کے نام پر ان کے مزارات پر غلو پسندی اور عقیدت میں تجاوز کے عجیب و غریب مظاہر پیش کئے

جاتے ہیں: گنبد و قبة بنائے جاتے ہیں، شمع و چراغ جلائے جاتے ہیں، چادر چڑھائی جاتی ہے، گاہگر، پٹکھے کے جلوس نکالے جاتے ہیں، صندل کا لپ کیا جاتا ہے۔ پھر وہاں طواف و سجدے بھی کئے جاتے ہیں، مراقبہ و اعتکاف بھی کئے جاتے ہیں، منتیں و نذریں بھی مانی جاتی ہیں، جانور بھی ان پر قربان کئے جاتے ہیں، فاتحہ و عرس کے میلے لگائے جاتے ہیں اور اسی پر بس نہیں: بلکہ مزید یہ کہ گانے بجانے اور ناچ و رنگ کی محفلیں بھی جمائی جاتی ہیں۔ پھر دیکھئے: تو کوئی وہاں کے ستونوں سے چمٹا ہوا عرض معروض کر رہا ہے، کوئی سسکیاں بھر رہا ہے، کوئی جوش عقیدت میں چیخ رہا ہے، کوئی اپنی مصیبتوں کی داستان سنا کر التجائیں کر رہا ہے، کوئی عقیدت کے مظاہرے کے لئے پھولوں کا نذرانہ لا رہا ہے، کوئی ادب و ہیبت کے لحاظ سے دم بخود ہے، کوئی رورو کے بے قراری کو سکون پہنچا رہا ہے، عورتوں کا ایک ہجوم ہے، جو ان سارے کاموں میں شریک و سہم ہے؛ بلکہ وہی گویا اس سارے کاروبار کی اصل داعی و محرک ہیں۔

اس سلسلہ میں ان احادیث کا مطالعہ کیجئے اور فیصلہ فرمائیے کہ اس صورت حال میں اور ان احادیث میں کوئی مطابقت پائی جاتی ہے؟

◀ ابوالہیاج اسدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ

عنه نے کہا کہ

« أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ أَنْ لَا تَدْعَ تِمْنًا إِلَّا أَطْمَسْتُهُ ، وَ لَا

قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتُهُ »

(کیا میں تم کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے اللہ

کے نبی ﷺ نے بھیجا تھا، یعنی یہ کہ کوئی تصویر نہ چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو مٹا دوں، اور نہ کوئی اونچی قبر کو چھوڑوں مگر یہ کہ اس کو برابر کر دوں)

(مسلم: ۹۶۹، واللفظ لہ۔ ابوداؤد: ۳۲۱۸۔ ترمذی: ۱۰۴۹۔ نسائی: ۲۳۱۔ مسند احمد: ۷۴۱۔ مستدرک: ۵۲۴۔)

❖ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
« نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُحْصَصَ الْقَبْرُ وَ أَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَ أَنْ يُسَبَّحَ عَلَيْهِ »
(نبی کریم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔)

(مسلم: ۹۷۰۔ مسند احمد: ۱۳۱۸۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۳۳۔ مشکوٰۃ: ۱۳۸)

❖ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
« لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ زَاوَاتِ الْقُبُورِ وَ الْمُتَجَلِّدِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَ الشُّجَّ »
(رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مساجد بنانے اور چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔)

(ابوداؤد: ۳۲۳۹۔ ترمذی: ۳۲۰۔ نسائی: ۲۰۴۳۔ احمد: ۲۰۴۰۔ ابن حبان: ۳۵۴۷۔ مستدرک: ۵۳۰۱۔ مشکوٰۃ: ۷۷۷۔)

ان احادیث میں قبروں پر عمارت بنانے ، ان کی لپائی کرنے ، ان پر چراغ روشن کرنے ، اور عورتوں کو زیارت قبور سے منع کیا گیا ہے ؛ مگر اس کے بالکل برخلاف مزارات پر ہور ہا ہے۔

الغرض غیر مسلم و عجمی اقوام کے اختلاط و اثر و نفوذ اور جاہل و گمراہ قسم کے صوفیوں کے جاہلانہ و گمراہانہ خیالات و مراسم نے مسلم معاشرے کو مشرکانہ عقائد و رسوم کی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی نقالی و تقلید میں مسلمانوں نے بھی وہی سب کچھ جاری کر لیا ، جو ان لوگوں کے یہاں ہوا کرتا ہے۔

اسی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”الفوز الکبیر“ میں کہتے ہیں کہ

” و إن كنت غير مُهتدٍ في تصوير حال المشركين و عقائدهم و أعمالهم ، فانظر إلى حال المحترفين من أهل عصرنا ، لا سيما الذين يقطنون منهم بأطراف دار الإسلام ، ما هي تصوراتهم عن الولاية ؟ فمع أنهم يعترفون بولاية الأولياء المتقدمين يرون وجود الأولياء في هذا العصر من قبيل المستحيلات ، و يذهبون إلى القبور و العتبات ، و يرتكبون أنواعاً من الشرك ، و كيف تطرق إليهم التشبيه و التحريف ؟ و نرى طبق الحديث الصحيح : ” لَتَبْعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ “ أنه ما من بلية من البليات إلا و طائفة من أهل عصرنا يرتكبون أو يعتقدون مثلها ، “

(اگر تم مشرکین کے عقائد و اعمال کا حال نہ سمجھ سکے ہوں، تو ہمارے زمانے کے پیشرو و مجاوروں کا حال دیکھ لیا جائے، خصوصاً جو دار الاسلام یعنی دہلی کے اطراف و اکناف میں رہتے ہیں کہ ان کا ولایت کے بارے میں کیا تصور ہے؟ یہ لوگ باوجود یکہ متقدمین میں اولیاء کے قائل ہیں؛ مگر موجودہ دور میں اولیاء اللہ کے وجود کو از قبیل محالات سمجھتے ہیں اور اسی لئے پہلے کے اولیاء اللہ کی مزاروں پر اور آستانوں پر جاتے اور قسم قسم کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھو کہ کس طرح ان میں تشبیہ یعنی غیر اللہ سے اللہ کو تشبیہ دینے اور دین میں تحریف کرنے کی باتیں پائی جاتی ہیں اور ہم تو حدیث صحیح ”کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کی ضرورت اتباع کرو گے“ کی روشنی میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کفر و شرک وغیرہ بلاؤں میں سے ہر بلا کا ارتکاب کوئی نہ کوئی طبقہ کرتا ہے اور اس جیسی بات کا عقیدہ جمالیتا ہے۔)

اب فیصلہ کیجئے کہ کیا ان مزارات والوں اور قبر پرستوں کا اسلام وہی ہے، جو قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہے؟ کیا دونوں میں کوئی ادنیٰ درجے کی مناسبت و موافقت نظر آتی ہے؟ یا دونوں میں کھلا ہوا تضاد و اختلاف نظر آتا ہے؟ کیا کوئی اس بات کی ہمت کر سکتا ہے کہ ان سب باتوں کو یہ کہہ کر پیش کرے کہ یہی سب کچھ وہ دین ہے، جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور جس کے نفاذ و قیام کے لئے آپ نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ نے محنت و مجاہدہ کیا تھا اور اس کے لئے جان و مال کی بے نظیر و بے مثال قربانیاں پیش کی تھیں؟

جھوٹی قبروں، طاقوں اور درختوں کی نذر و نیاز

یہاں یہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ مزارات کے نام سے جب شیطان نے لوگوں کو قسم ہاتھم کے شرکیہ عقیدوں اور اعمال میں مبتلا کیا اور ان کے دین و ایمان سے کھیل تماشا کرنے لگا، تو اس نے کچھ واقعی اولیاء اللہ کی قبروں کے ساتھ ساتھ کچھ غیر واقعی جھوٹی قبروں کا بھی ایک سلسلہ جاری کر دیا؛ یہاں تک کہ بعض ناما قبت اندیش لوگوں نے ”اولیاء اللہ“ کے نام پر جانوروں اور عام لوگوں کی قبروں کو بھی قبر پرستی کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اس طرح شیطان نے اولیاء اللہ کی سخت ترین توہین کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیا۔

اسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ درختوں اور طاقوں میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہاں بعض اولیاء اللہ یا شہداء کرام رہتے ہیں؛ اس لئے نذر و نیاز و طواف و سجدے وہاں بھی کیا کرتے ہیں۔

اس کا شرک ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے اور لغو و بے ہودہ ہونا خود عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔

چنانچہ اس بارے میں بریلوی مکتب فکر کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے بھی ایک فتویٰ اس کے واہیات و خرافات ہونے کا دیا ہے، چنانچہ ایک صاحب نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا، تو جواب میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ

”یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطلالات ہیں، ان

کا ازالہ لازم ہے۔ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ مِّلْطٰنٍ، وَلَا حَوْلَ وَلَا

قُوَّةٌ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ . وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی أَعْلَمُ۔

(احکام شریعت: ۱/۲۳)

کڑوں، انگوٹھیوں، دھاگوں پر اعتماد

بہت سے لوگوں میں یہ رواج ہے کہ کڑوں، انگوٹھیوں، دھاگوں وغیرہ کو بیماری یا مصیبت یا رزق میں تنگی و حاجت و ضرورت وغیرہ میں مؤثر سمجھتے ہوئے ان کو استعمال کرتے ہیں۔ کوئی دھاگہ باندھتا ہے، کوئی ہاتھوں میں کڑا پہنتا ہے، کوئی گلے میں مالا ڈالتا ہے، کوئی انگلیوں میں انگوٹھی پہنتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے میرا فلاں مسئلہ حل ہو جائے گا اور فلاں مصیبت دور ہو جائے گی وغیرہ۔

بعض لوگ بازو پر یا ہاتھ میں دھاگہ باندھ لیتے ہیں اور اس پر عقیدہ بنا لیتے ہیں کہ یہ باندھنے سے ایسا ہو جائے گا، یہ مسئلہ حل ہو جائے گا یا بیماری چلی جائے گی وغیرہ۔ بعض لوگ انگوٹھی میں بعض خاص قسم کے پتھر عقیق، فیروزہ وغیرہ لگاتے ہیں اور اس سے بھی عقیدہ جما لیتے ہیں کہ اس سے یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ یہ بھی اسلام کی رو سے غلط و باطل ہے۔

حالانکہ ایک توحید پرست کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اعتماد و بھروسہ صرف ایک اللہ وحدہ لا شریک پر کرے۔ اس سلسلہ میں یہ احادیث ملاحظہ کیجئے:

❖ بکر بن سوادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ صداد کے

ایک صاحب نے ان کو بتایا کہ ہم بارہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ہم نے آپ سے بیعت لی مگر آپ نے ہم میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا، اس کو بیعت نہیں کیا

ہم نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! اس کو بھی بیعت فرمالیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس کو اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا، جب تک کہ وہ اس چیز کو نکال نہ ڈالے، جو ہم میں سے کسی پر ہو، تو وہ جب تک اس پر ہوگی، مشرک ہوگا۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو دیکھا، تو اس کے بازو پر درخت کے چھلکے یا جادو کی کوئی چیز ہے۔

(شرح معانی الآثار ۲: ۳۶۰)

❖ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا، جس کے ہاتھ میں پتیل کا ایک کڑا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ ”واہنہ“ (مردوں کے بازو میں ہونے والی ایک بیماری) کے لئے (گنڈا) ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو نکال دے، یہ تو تجھے (ایمان کے لحاظ سے) اور بھی بیمار کرے گا۔

(ابن ماجہ: ۳۵۳۱۔ مسند احمد: ۲۰۰۱۳۔ صحیح ابن حبان: ۴۳۹/۱۳۔)

❖ حضرت ابواسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس داخل ہوا اور اس پر پتیل کی انگوٹھی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ واہنہ بیماری کے لئے ہے۔ فرمایا کہ یہ تو اور زیادہ تجھے کمزور کرے گی۔

(معجم کبیر طبرانی: ۶۰۰)

❖ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی عیادت کی، تو

اس کے بازو پر سیر (چڑے کا ٹکڑا) بندھا ہوا دیکھا، تو اس کو کاٹ دیا یا نکال دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی کہ: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِئُونَ﴾ [یوسف: ۱۰۶] (اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شرک کرنے والے ہیں)

(تفسیر ابن کثیر: ۶/۲۹۹-)

ان احادیث و آثار میں جس بات پر زور دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اعتماد و توکل ہر بات میں اللہ کی ذات پر ہونا چاہئے، نہ کہ کسی اور چیز پر؛ ہاں کسی چیز کا کسی بات کا سبب ہونا شرعی دلیل سے یا عمومی تجربے سے یا علم و تحقیق کی بنا پر ثابت ہو، تو اس کو محض ایک سبب کی حیثیت سے اختیار کرنا جائز ہے؛ بشرطیکہ یہ ماننا ہو کہ اس سبب میں بھی طاقت و قوت اللہ تعالیٰ ہی کے دینے یا رکھنے سے ہے۔

الغرض جس چیز کا شرعی دلالت یا علمی مہارت یا تجربے سے بیماری کی دوا یا پریشانی کا علاج ہونا ثابت ہو، اس کو بیماری و بلاء کے آنے کے بعد بطور علاج استعمال کرے، تو اس کی اجازت ہے؛ لیکن جس چیز کے بارے میں نہ شرعی دلیل سے ثابت ہو، نہ علمی تحقیق سے معلوم ہو اور نہ تجربے سے پتہ چلے کہ یہ فلاں چیز کے لئے شفاء ہے یا فلاں پریشانی کے لئے علاج ہے، تو اس کو محض وہم و گمان سے استعمال کرنا ایک جانب بے وقوفی ہے، تو دوسری جانب بد عقیدگی کی علامت ہے۔

عورتوں میں بد عقیدگی کے جراثیم

عورتوں میں ایمانی کمزوری و بد اعتقادی کا سلسلہ مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے؛ حتیٰ کہ بعض جگہ عورتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ باقاعدہ اسلامی برقعوں کے ساتھ

چرچوں اور مندروں کی چوکھٹ پر، اور چرچوں کے پادریوں اور مندروں کے پجاریوں کے پاس، بھیڑ لگائی ہوئی ہیں اور یہ اس لئے کہ کسی کو بچہ چاہئے، کسی کو شوہر کی محبت درکار ہے، کسی کو مصیبت سے رہائی مطلوب ہے، کسی کو اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کروانا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ان سب مسائل کا حل مندروں و چرچوں میں وہاں کے پادریوں یا پجاریوں سے ہو جائے گا۔

خدا را غور کرو کہ مذہب اسلام کی تعلیم عقیدے کے بارے میں کیا ہے اور یہ لوگ کہاں اور کیسے بھٹک رہے ہیں؟

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں جو آپ نے اپنی مرید ایک نیک خاتون کی جانب روانہ کیا تھا، اس میں عورتوں کے اندر کی بدعتیگی و ایمانی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”اکثر عورتیں اپنی کمال جہالت کی وجہ سے اس ممنوع استمداد (غیر اللہ سے مدد چاہنے) میں مبتلا ہیں اور ان بے مسکمی اسماء سے اپنی مصیبتیں دور کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور شرک اور مشرکین کی رسومات کی ادائیگی میں گرفتار ہیں۔ یہ بات ان کی نیک و بد سے چھپک کی دباہ پھیلنے کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلہ کہتے ہیں، مشہور و محسوس ہے، کم ہی کوئی عورت ایسی ہوگی، جو اس باریک شرک سے خالی ہو اور استمداد کی رسموں میں سے کوئی رسم کا اقدام نہ کرتی ہو، مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

اور ہندوؤں کے معظم دونوں کی تعظیم کرنا اور ان دونوں میں ہندوؤں کی متعارف رسوم کا بھالانا بھی شرک کو سترم اور کفر کا مستوجب

ہے، جیسا کہ کافروں کی دیوانی کے دنوں میں جاہل مسلمانوں خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسوم بجالاتے، اسے عید مناتے ہیں اور کافروں کے ہدیوں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھیجتے ہیں الخ۔

(مکتوبات امام ربانی جلد سوم، مکتوب: ۴۱)

اس سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ عورتوں کے اندر کہاں تک شرک و کفر کے جراثیم سرایت کر جاتے ہیں کہ حضرت امام ربانی کو مستقل اس کا شکوہ کرنا پڑا۔ یہ اس زمانے کی عورتوں کا حال ہے، تو اس زمانے کا کیا حال ہوگا؟

دوسری فصل

ایمان کی کمزوری اور وہم پرستانہ نظریات

توحید کے خلاف ذہنیت نے عوام الناس میں عجیب و غریب وہی زمانہ جاہلیت کی باتیں پیدا کر دی ہیں، جن کو اسلام نے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی تعلیم دی ہے، جیسے بدفالی اور بدشگونی اسلام میں جائز نہیں؛ بلکہ اس کو خلاف اسلام قرار دیا گیا ہے؛ مگر اس کے باوجود بہت سے جاہل طبقوں میں اور کم پڑھے لکھے لوگوں میں وہم پرستانہ مزاج پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے باطل باتوں پر یقین ہونے لگتا ہے۔ مثلاً

دنوں اور تاریخوں کو منحوس جاننا

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں دن یا تاریخ منحوس ہے؛ اس لئے اس میں کوئی نیا کام نہیں کرتے، جیسے بعض لوگ محرم میں نکاح و شادی کی تقریب کو منحوس سمجھتے ہیں،

اسی طرح ماہ صفر کو منخوس سمجھتے اور اس میں ابتدائی تیرہ دنوں تک۔ جن کو یہ لوگ ”تیرہ تیزی“ کہتے ہیں۔ کوئی نیا کاروبار یا شادی وغیرہ نہیں کرتے اور بعض لوگ منگل کے دن کو ناکامی و نحوست کا دن سمجھتے اور اس میں شادی وغیرہ تقریبات سے احتراز کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ بعض تاریخوں میں سفر کرنے کو منخوس و برا خیال کرتے ہیں اور ان ایام و تاریخوں میں ناکامی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

ہم یہ بات پہلے بتا چکے ہیں کہ اس قسم کے عقیدے کو اللہ کے رسول علیہ السلام نے باطل قرار دیا ہے؛ کیونکہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بات واقع نہیں ہوتی، نہ اچھی نہ بری، تو ان دنوں اور تاریخوں کو بلا دلیل مبارک یا منخوس ماننا شرک کا ایک شعبہ ہے۔

ایک اہم علمی فائدہ

یہاں بطور علمی افادے کے یہ بات ذکر کر دینا مناسب ہے کہ بعض لوگ بعض دنوں کے منخوس ہونے پر بعض روایات سے استدلال کرتے ہیں؛ مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

ایک تو اس حدیث سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

”يَوْمُ الْأَرْبَعَاءِ يَوْمٌ فَخَسٌ مُسْتَجْمَرٌ“ (بدھ کا دن ہمیشہ کا

منخوس دن ہے) اور بعض میں ماہ کے آخری بدھ کو منخوس کہا گیا ہے۔

مگر اس قسم کی احادیث کو علماء محدثین نے موضوع قرار دیا ہے، علامہ ابن الجوزی نے ”الموضوعات“ میں لکھا ہے کہ

یہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت

(الموضوعات: ۷۴۲)

نہیں ہیں۔

ملاحی قاری رحمہ اللہ نے علامہ سخاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور بدھ کی تعریف و تنقیص دونوں کے بارے میں احادیث آئی ہیں، جو سب کی سب داعی و ضعیف ہیں۔
(الاسرار المفوضہ: ۳۹۶)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

امام صفحانی رحمہ اللہ اور امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کو موضوع کہا اور خطیب بغدادی نے اس کو روایت کیا ہے، جس کی سند میں جھوٹا راوی ہے اور اس کو مردویہ نے روایت کیا، جس کی سند میں متروک راوی ہے۔

(المآلی المصنوعہ: ۴۳۸/۱)

اسی طرح بعض اور روایات بھی بدھ کے دن کی برائی و مذمت میں نقل کی گئی ہیں؛ مگر سب کا حال ایسا ہی ہے کہ ان کی سندوں میں متہم و کذاب و متروک قسم کے راوی پائے جاتے ہیں۔

(دیکھئے: المآلی المصنوعہ: ۴۳۸/۱-۴۳۹)

الغرض اولاً تو یہ احادیث سند کے لحاظ سے کوئی مضبوط نہیں، دوسرے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ خود بدھ کے دن کے بارے میں بعض احادیث میں اس کے خلاف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مبارک دن ہے۔ چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ:

« مَا بُدِئَ بِشَيْءٍ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ إِلَّا قَسَمٌ »

(جو کام بدھ کے دن شروع کیا جاتا ہے، وہ مکمل ہوتا ہے)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں بھی بتایا کہ یہ ”لا اصل“ ہے؛ مگر

ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

ہمارے ائمہ میں سے صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اسی کے موافق ان کا عمل تھا۔ (الاسرار المفوضہ: ۳۹۶)
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک پسندیدہ دن جس میں سفر کیا جائے، نکاح کیا جائے اور بچوں کی ختنہ کی جائے، وہ بدھ کا دن ہے۔

(التقاصد الحسیہ: ۴۴۱۔ کشف الخفاء: ۲/۳۹۷۔)

ان احادیث سے بدھ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے؛ لہذا یہ دو قسم کی متعارض احادیث بدھ کے سلسلے میں ملتی ہیں۔ اگرچہ دونوں بھی پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اور اگر ان روایات کو کسی درجے میں تسلیم کر لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ بدھ کا دن منخوس ہے؛ بلکہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

برصورتِ صحیح حدیث یہ دراصل اس آیت کی تفسیر ہے: ”يَوْمَ نَخَسُ مُمْسِقِي“ (قوم عاد پر منخوس دن میں عذاب آیا) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں پر جس دن عذاب آیا، وہ بدھ کا دن تھا، جو ان اللہ کے دشمنوں کے حق میں منخوس تھا اور اللہ کے دوستوں کے حق میں وہ دن مبارک تھا۔ اسی طرح جو دوسرے دنوں کے بارے میں مروی ہے، اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

(الاسرار المفوضہ: ۳۹۶)

اور علامہ مناوی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں طویل کلام کیا ہے۔ اولاً اس سلسلے کی احادیث کا ذکر کیا ہے، جن میں سے بعض میں بعض ایام کی فضیلت آئی ہے اور

بعض میں مذمت، پھر حضرات علماء کا کلام ان کی تطبیق میں نقل کیا ہے۔ ایک قول بعض کا یہ نقل کیا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”بدھ کا دن منحوس ہے“ یہ بطور بدقالی کے نہیں ہے؛ کیونکہ بدقالی و بدشگونی دین اسلام کا طریقہ نہیں؛ بلکہ جاہلیت کی رسم اور نجومیوں و کاہنوں کا قول ہے اور ان کا قول و دین سے خارج ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا مقصد اس سے خوف دلانا اور ڈر پیدا کرنا ہو، یعنی یہ کہ اس دن سے ڈرو؛ کیونکہ اس میں عذاب نازل ہوا تھا اور لوگوں کو ہلاک کیا گیا تھا؛ لہذا اتوبہ کی تجویز کرو، اس ڈر سے کہ کہیں ان لوگوں کی طرح تم پر بھی عذاب نہ آجائے اور اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ جب بادل دیکھتے، تو خوف کھاتے؛ یہاں تک کہ جب بارش ہو جاتی، تو آپ کو اطمینان ہونا اور یہ فرماتے تھے کہ مجھے اس کا اندیشہ تھا کہ پچھلی قوموں کی طرح کہیں عذاب نہ آجائے۔ اور جیسے آپ نے قوم عاد و ثمود کی بستیوں پر سے گزرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہاں سے روتے ہوئے گزرو۔

اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس دن کی نحوست اس کے حق میں ہے، جو اس دن کو منحوس سمجھتا اور نبی ﷺ کی اقتداء کو چھوڑے ہوئے بدشگونی لیا کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ بدشگونی تو شرعی لحاظ سے مکروہ و بری بات ہے؛ مگر ہاں کسی کو اس دن کوئی بلا و مصیبت پیش آجائے، تو وہ اس دن کوئی تصرف و کام کرنے سے رک جائے، تو اس کی اجازت ہے؛ مگر بطور بدقالی یا اس اعتقاد کے نہیں کہ اس سے کوئی ضرر و نفع ہوتا ہے یا فقر و مصیبت پہنچتی ہے؛ بلکہ اس خیال سے کہ شریعت نے اس دن رک جانے کی اجازت دی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ بالذات کسی دن کو منحوس یا مسعود سمجھنا، تو خلاف شریعت ہے؛ لیکن اگر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے بعض

ایام کو منحوس بنایا ہے اور بعض کو مسعود تو یہ جائز ہے۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ بدھ کے دن کسی کام سے احتیاط کرنا اگر بطور بدقالی اور نجومیوں کے طریقے کے ہو، تو یہ شدید حرام ہے؛ کیونکہ سارے دن اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں، جواز خود نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان، اور اس اعتقاد کے بغیر احتیاط کرنے میں کوئی حرج و مضائقہ نہیں ہے۔ (فیض القدر شرح الجامع الصغیر: ۶۱۸-۶۲)

گھروں کو منحوس سمجھنا

اسی طرح عوام الناس میں عقیدہ ہے کہ گھروں میں بعض گھر مبارک اور بعض منحوس ہوتے ہیں اور ان منحوس گھروں میں رہنے سے بے برکتی اور مصائب و آفات، بیماریاں و حوادث پیش آتے ہیں یا وہاں رہنے سے گھر کے افراد مر جاتے ہیں وغیرہ، یہ بھی غلط و باطل عقیدہ ہے۔ مومن کا عقیدہ یہ ہے اور ہونا چاہئے کہ موت و حیات، خیر و شر، جنت و بیماری، رزق کی فراوانی یا اس میں تنگی، نعمت و دولت یا مصیبت و مفلسی سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے، نہ کسی دکان و مکان سے کچھ ہوتا ہے، نہ کسی زمین و جگہ سے کچھ ہوتا ہے؛ اگر کسی دکان یا مکان سے ہوتا ہے، تب بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت و ارادے سے ہوتا ہے، بغیر اللہ کی مشیت و ارادے کے نہ کوئی چیز نقصان دے سکتی ہے، نہ نفع پہنچا سکتی ہے۔

بدقالی کی جاہلیت

بعض لوگ جاہلی لوگوں کی طرح راستے میں کسی بلی یا کالی بلی کے آڑے گزر

جانے پر یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے ہمارا کام نہیں ہوگا اور واپس ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی باطل ہے اور اس کی تردید خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ " الطَّيْبَةُ شِرْكٌ " (بدفالی شرک ہے)، نیز یہ بھی بتایا تھا کہ جاہلی دور کے لوگ اسی طرح بدفالی لیتے تھے کہ کوئی شخص اپنے کسی کام سے نکلتا اور کوئی پرندہ اس کی دھنی جانب سے اڑتا نظر آتا، تو اس کو اپنے حق میں مبارک خیال کرتا اور اس کام کے لئے آگے بڑھ جاتا اور اگر پرندہ بائیں جانب سے اڑتا دکھائی دیتا، تو اس کو نا مبارک و منحوس خیال کرتا تھا اور واپس لوٹ جاتا۔

معلوم ہوا کہ اسلام نے اس بے ہودہ و بے اصل عقیدہ کی تردید فرمادی ہے اور بتا دیا ہے کہ کسی پرندہ کے داہنے یا بائیں اڑنے سے کچھ نہیں ہوتا، جو ہوتا ہے، وہ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، اسی طرح بلی کے سامنے سے گزرنے یا درمیان راستے سے گزرنے یا کسی اور چیز کے کسی طرح جانے آنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

گھر میں نحوست کا عقیدہ

اسی قسم کی ایک بات عوام الناس میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی نیا گھر لیتے ہیں یا کسی نئے گھر میں منتقل ہوتے ہیں، تو وہاں سب سے پہلے دودھ اُبالنے کی رسم مناتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہاں دودھ اُبالا گیا، تو یہاں گھر میں روپیہ پیسہ بھی دودھ کی طرح اُبلتا رہے گا۔ یہ بھی وہی باطل قسم کا عقیدہ ہے، جس کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ دینا و لینا، رزق کا بڑھانا اور گھٹانا سب اللہ کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔ کسی کے دودھ اُبالنے یا گرانے سے اس کا کیا تعلق؟ پھر اس رسم میں اللہ کی ایک عظیم نعمت کی ناقدری بھی ہے کہ دودھ کو گرایا جاتا ہے اور اسلام میں اس کی اجازت ہی نہیں کہ اللہ کی نعمت کو ضائع کیا جائے۔ الغرض یہ بھی ایک بے ہودہ رسم اور باطل عقیدہ ہے۔

عورت کے مبارک یا منحوس قدموں کا عقیدہ

اسی بدعتیہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ بعض عوام الناس میں یہ رائج ہے کہ اگر گھر میں نئی دلہن آنے کے بعد انہی دنوں منافع حاصل ہو گئے، رزق میں فراوانی ہو گئی، تو اس کو اسی عورت کی جانب منسوب کرتے اور سمجھتے ہیں کہ اسی کے مبارک قدم کا نتیجہ ہے اور اگر خدا نخواستہ ان ایام میں کوئی حادثہ بیماری کا یا موت کا پیش آ گیا، تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورت منحوس ہے، اسی کے نامبارک قدموں کی وجہ سے یہ حادثہ ہوا ہے۔ کئی جگہ ایسے واقعات سننے میں آئے کہ شادی کے بعد جب دلہن گھر آئی اور اس کے چند دن کے بعد اس گھر میں کسی کا انتقال ہو گیا، تو یہی کہہ کر کہ ”یہ منحوس عورت ہے“ اس کو طلاق دیدی گئی۔

یہ بھی انتہائی غلط و باطل عقیدہ ہے؛ کیونکہ نہ کسی مرد سے کچھ ہوتا ہے نہ کسی عورت سے۔ سب اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔

افسوس کس قدر بدعتیہ کی ہے کہ اللہ کی تقدیر کے فیصلے کو مخلوق کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ کیا اللہ ہی کی ذات نہیں، جو کسی کو موت دیتی ہے یا بیماری دیتی ہے؟ اسی طرح رزق کا دینا یا نہ دینا کیا اللہ کا کام نہیں؟ پھر اس کو ایک عورت سے کیوں منسوب کیا جاتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی کمزوری اور تو حید خداوندی پر ایمان کا مل نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے۔

”واستو“ کا بے ہودہ عقیدہ

آجکل ایک اور باطل عقیدہ لوگوں میں غیروں کی دیکھا دیکھی پیدا ہو گیا ہے اور وہ ہے ”واستو کا عقیدہ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ گھر کو ایک خاص انداز سے بنانے

کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کے خلاف بنانے پر اس کو منحوس و برا سمجھا جاتا ہے اور گویا موت و حیات، راحت و مصیبت، کشاکش و جنگی، صحت و بیماری، نحوست و برکت وغیرہ امور کو مکانات کے طرز تعمیر اور ان کے جائے وقوع سے منسوب کیا جاتا ہے۔

یہ عقیدہ دراصل ہندوؤں میں ان کے پجاریوں کی طرف سے ویدوں کے حوالے سے آیا ہے اور پہلے تو وہ اس کو اپنا ایک مذہبی نظریہ سمجھتے تھے اور اب خواہ مخواہ کھینچ تان کر اس کو ایک سائنسی نظریہ ثابت کرنے کی فکر کی جا رہی ہے۔

واستو میں یہ بتایا جاتا ہے کہ گھر کا اصل دروازہ فلاں سمت کو ہونا چاہئے، کھڑکیاں فلاں جانب ہونا چاہئے اور پکوان کا کمرہ اس مقام پر ہونا چاہئے اور سونے کا روم فلاں جگہ ہونا چاہئے وغیرہ اور اگر ایسا نہ ہوا، تو کہتے ہیں کہ کوئی مرجائے گا یا حادثے ہوا کریں گے یا یہ کہ مال میں ترقی نہ ہوگی یا یہ کہ بیماریاں آئیں گی وغیرہ۔ یہ عقیدہ بھی شرکیہ اور باطل ہے۔ اسلام میں اس طرح کی کوئی بات ثابت نہیں؛ بلکہ گزشتہ بیانات پڑھئے، تو یہ معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں کہ اسلام بنیادی طور پر اس قسم کی باتوں کا سخت ترین مخالف ہے۔ وہ تو یہی تعلیم دیتا ہے کہ کسی سمت میں کچھ نہیں رکھا ہے، جو کچھ ہے، وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

الغرض ”واستو“ کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں؛ بلکہ یہ عقیدہ اسلام کے سراسر خلاف ہے؛ لہذا اہل اسلام کو اس قسم کی بدعتیں گویوں سے دور رہنا چاہئے۔ کیا یہ ساری باتیں امت کے عقیدوں میں بگاڑ، ان کے ایمانوں میں ضعف، ان کے یقین میں کمزوری کا پتہ نہیں دیتیں؟

الغرض امت کے ایک طبقے میں عقیدے میں بگاڑ و فساد آگیا ہے اور ایک بڑا طبقہ امت کا وہ ہے، جس کے عقیدے و ایمان میں بگاڑ و فساد تو نہیں؛ لیکن کمزوری و

اضمحلال نے بسیرا کر لیا ہے، یقیناً ایمان کی وہ کیفیت ان میں باقی نہیں رہی، جو ہونی چاہئے، وہ اعتقاد تو کل علی اللہ موجود نہیں، جس کا قرآن مطالبہ کرتا ہے۔

تیسری فصل

چنی ارتداد کی خطرناک لہر

یہ بدعتیہ گمراہیاں اور ایمانی کمزوریاں زیادہ تر اس طبقے میں پائی جاتی ہیں، جو یا تو پرانے خیال کے لوگ کہلاتے ہیں یا عامۃ المسلمین میں۔ اگرچہ نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں بھی اس قسم کی بدعتیہ گمراہیوں کا سلسلہ کچھ کم نہیں ہے؛ تاہم زیادہ تر یہ بیماریاں پرانے طرز والوں میں ہیں۔

اور جدت پسندوں اور تعلیم یافتہ لوگوں میں جدت پسندی و جدید افکاری نے بدعتیہ گمراہی و ایمانی کمزوری کا ایک دوسرا رنگ اختیار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ دور میں یہ دین اسلام چلنے کے قابل نہیں، اس کے احکام اس دور کے لائق نہیں، وہ اس دین کو دائمی پیغام نہیں سمجھتے، ایک محدود وقت کا ایک محدود پیغام سمجھتے ہیں، وہ اس دین کو تمام دینی و دنیوی سعادتوں کا کفیل و ضامن نہیں سمجھتے، اس کو زندگی کا دستور العمل نہیں خیال کرتے، اس کو سب دینوں و مذہبوں سے افضل قرار نہیں دیتے۔ حرمت سود، عورتوں کے پردے، اور دیگر احکامات خداوندی ان کو فرسودہ دکھائی دیتے ہیں اور بعض جدت پسند لوگ ایسے بھی ہیں، جو اسلام سے صرف دور نہیں؛ بلکہ نفور بھی ہیں۔ وہ اسلام کے مطابق اپنے آپ کو بدلنے کے بجائے، خود اسلام کو بدل دینا چاہتے ہیں۔ ان کو اسلام کے بہت سے احکامات میں غیر معقولیت نظر آتی ہے، بہت سے قرآنی حقائق ان کو منطکوں دکھائی

دیتے ہیں اور بہت سارے مضامین میں ان کو ترمیم و ترمیم، حذف و اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؛ مگر پھر بھی وہ اسلام کا دعویٰ بر ملا کرتے ہیں اور اپنے اس صریح کفر کو اسلام کے ساتھ جھوٹی ہمدردی کے پردہ میں چھپاتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں، جو اس کو زبانِ قال سے کہتے ہیں اور اکثر وہ ہیں، جو زبانِ حال سے اس کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ نظریہ کس قدر خطرناک ہے؟ یہ ہر مومن پر واضح ہے۔

دینی ارتداد کی چند مثالیں

(۱) اسی دینی ارتداد کی ایک صورت یہ ہے کہ بہت سے لوگ قرآن و دین کی تعلیم کو لغو و فضول خیال کرتے اور دینی مدارس کو اور دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں دنیوی تعلیم کو بہت اہم و ضروری، اور دنیوی تعلیمی اداروں کو اور عصری علوم پڑھنے والوں کو بہ نگاہِ عظمت دیکھتے ہیں۔

جبکہ اہل اسلام کے نزدیک یہ بات معلوم و مسلم اور دلائل سے ثابت ہے کہ قرآن و شریعت کے بغیر اسلامی زندگی کا کوئی تصور نہیں اور نجات کا دار و مدار بھی اسی پر ہے۔ اور قرآن و سنت کی تعلیم و تدریس اور اس کے لئے دینی مدارس و تعلیم گاہیں اور اس کے ماہر علماء کا وجود لازم و ضروری ہے۔

لیکن امت مسلمہ کا عموماً حال یہ ہے کہ ان سب امور کو غیر ضروری؛ بلکہ فضول سمجھتے ہیں اور حقارت کی نظر سے ان کو دیکھا جاتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ عموماً اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے محروم رکھتے؛ بلکہ بعض تو اس سے ان کو بچاتے ہیں اور اگر کسی کے لحاظ سے دینی تعلیم کے لئے داخل بھی ہیں، تو ضمناً اور ایک فضول کام کی طرح اپنے بچے کچھ اوقات اس کے لئے دیتے ہیں، نیز ان کے اسباق کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ بچے پڑھتے بھی ہیں یا نہیں؟ کامیاب بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ الغرض اس کو

ایک لغو و فضول کام سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل یہ لوگ دنیوی و عصری تعلیم کے لئے پوری استعداد دکھاتے ہیں، اور بڑی بڑی رقیں خرچ کر کے اس کو حاصل کرواتے ہیں، حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی لاکھوں کا ڈونیشن دے کر اسکولوں میں داخل کرواتے ہیں اور اپنے ذہن و عقل مند بچوں کو اس کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ وہاں کے امتحانات کی فکر کرتے ہیں اور بچوں کے کامیاب و ناکام ہونے کے بارے میں فکر مندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دنیوی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کا احساس اس کی حیثیت سے زیادہ کرتے ہیں۔

یہ سب امور بظاہر نظر تو بد عملی کے نمونے معلوم ہوتے ہیں؛ مگر درحقیقت یہ آثار ہیں، اس ذہنی ارتداد کے، جس کی وجہ سے قرآن و سنت کی اور دینی تعلیم کی تحقیر اور اس سے روگردانی کا سلسلہ جاری ہے۔

(۲) اسی ارتداد کی ایک صورت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ملیں گے، جو قرآن و سنت کے احکام و فرامین کو دنیوی زندگی کے لئے نافذ العمل ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے، بالفاظِ دیگر وہ شریعت کو ہماری دنیوی زندگی کے ہر شعبے و حال کے لئے ہدایت ہونے کا یقین نہیں رکھتے؛ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن تو صرف پڑھنے کے لئے ہے؛ تاکہ آخرت میں ثواب مل جائے، باقی یہ کہ وہ ہمارے لئے زندگی کے ہر باب و شعبے میں رہبری کرے، خواہ وہ ہماری معاملاتی زندگی ہو یا معاشرتی زندگی ہو یا سیاسی زندگی ہو۔ اس کا ان کو یقین نہیں؛ بلکہ بعض تو اس طرح کی بات کرنے پر کہنے والے کو بے وقوف سمجھ کر لقمہ دیتے یا کوئی رعایت کرتے ہیں تو اس پر ہنس پڑتے ہیں۔

اس کا کچھ ثبوت تو بعض اسلامی ممالک کے حالات سے بخوبی ہو جاتا ہے،

جہاں آج بھی یہ بحث جاری ہے کہ اسلام کو بطور قانون یہاں نافذ کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور ان ممالک کے سربراہوں میں سے تقریباً سبھی اور عوام میں سے ایک بڑی اکثریت نفاذ شریعت کے خلاف ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے ظالمانہ و جاہلانہ قوانین کو مانتی اور ان کو نافذ کرنے کی قائل ہے۔ کیا ان کے ذہنی ارتداد پر اس سے زیادہ بڑی کوئی دلیل درکار ہے؟

ایسے ہی موقع پر قرآن کریم نے یہ فرمایا ہے:

﴿الْفَحْشَمُ الْجَاهِلِيَّةُ يَنْفَعُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ [مانندہ: ۵۰]

(کیا وہ لوگ جاہلیت کا قانون چاہتے ہیں؟ اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ کے قانون سے بہتر کس کا قانون ہو سکتا ہے؟)

اور حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ ثَلَاثَةٌ : مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ ، وَ مُنْتَعٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ مُطْلِبٌ دَمَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بَغَيْرِ حَقٍّ لِّبُهِرَيْقٍ دَمَهُ »

(تین آدمی اللہ تعالیٰ کو لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند ہیں: ایک حرم میں نافرمانی کرنے والا۔ دوسرے اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش کرنے والا۔ تیسرے بلا وجہ مسلمان آدمی کے خون بہانے کے لئے اس کا مطالبہ کرنے والا۔)

اس میں جو ”سہ الجاہلیہ“ کا ذکر ہے، اس سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے احکام و فرامین کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے لوگوں کو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض قرار دیا ہے۔

حضرت مفکر اسلام کا فکر انگیز بیان

اس صورت حال کا اندازہ آج سے تقریباً چالیس پچاس برس پہلے ہی عالم اسلام کی معروف دینی و علمی شخصیت مفکر اسلام حضرت علامہ ابوالحسن علی الندوی رحمہ اللہ کو ہو گیا تھا اور آپ نے اس پر ایک رسالہ ”رَدُّةٌ لَا اِذَا بَنُكُو لَهَا“ کے نام سے بزبان عربی تصنیف کیا اور اس کا ترجمہ ”نیا طوفان“ کے نام سے کیا گیا۔ یہ رسالہ تو پورے کا پورا پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہے، اس رسالے میں حضرت نے اس ارتداد کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا کہ

”یہ ارتداد ہے، جس نے عالم اسلام کو اس سرے سے اس سرے تک تاراج کیا ہے، گھر گھر اور خاندان خاندان پر اس کا حملہ ہوا ہے، یونیورسٹیوں، کالجوں، اور اداروں سب پر اس کی یورش ہوئی ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسا خوش قسمت خاندان ہوگا، جس میں اس دین (باطل) کا کوئی جبر و کار، پرستار اور عقیدت گزار موجود نہ ہو۔ آپ جب ذرا اس سے تہائی میں باتیں کریں گے، کچھ چھیڑیں گے اور اندر کی بات اگلوائیں گے، تو دیکھیں گے کہ وہ ایمان باللہ سے محروم ہو گیا ایمان بالیوم الآخر سے خالی ہوگا یا رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ رکھتا ہوگا یا قرآن کو

ایک معجزہ وابدی کتاب اور دستور حیات نہ مانتا ہوگا اور ان میں سب سے غنیمت وہ ہوگا، جو کہے گا کہ میں اس قسم کے مسائل پر غور نہیں کرتا اور ان کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتا۔

(نیا طوفان: ۱۳)

چوتھی فصل

عملی بگاڑ کے افسوس ناک نمونے

یہ تو ایمان و عقیدے کے سلسلے میں امت کی موجودہ صورت حال ہم نے دیکھی، اب ذرا عملی و اخلاقی احوال کی جانب بھی نظر کیجئے۔ آپ کو ایک حیرت انگیز ناقابل تصور صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بدعات و رسومات کی گرم بازاری

اس میں سب سے پہلے تو بدعات و رسومات کا ایک ناقابل فہم لمبا چوڑا سلسلہ ہے، جو ہر باب میں داخل کیا گیا ہے، کیا نماز، کیا روزہ، کیا زکوٰۃ و حج، کیا شادی بیاہ، کیا غمی، کیا پیدائش، کیا موت، پھر ہر مہینے کی الگ الگ بدعات و رسومات طے کی گئی ہیں، محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، رجب، شعبان، رمضان وغیرہ، اس طرح ایک متوازی شریعت، اسلامی شریعت کے بالتقابل بنائی گئی ہے۔ اور ان میں کچھ تو ہندوؤں سے لیا گیا ہے، کچھ دیگر مذاہب سے، اور کچھ علماء سوء و زر پرست مشائخ کی ایجاد کردہ ہیں۔

لوگوں کے نزدیک ان بدعات و رسومات کی اس قدر اہمیت ہے کہ سنت و

شریعت کو ترک کر دینا ان کو گوارا ہوتا ہے؛ لیکن کیا مجال کہ یہ بدعات و رسومات ترک ہو جائیں؟ حتیٰ کہ اہم ترین فرض عبادات بھی ان کے مقابلہ میں پامال ہو جاتے ہیں۔

عبادات شرعیہ میں ہماری کوتاہی

رہی عبادات شرعیہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، وغیرہ) کی پابندی، تو ایک بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی وہ، ہے جو سرے سے ان عبادات کو چھوڑے ہوئے ہے۔ نمازی بمشکل پانچ تا سات فیصد ہوں گے، اسی طرح دیگر عبادات کا تناسب بھی بہت کم ہے، پھر جو ان عبادات کو انجام دینے والے ہیں، ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے، جو ان عبادات کے صحیح طریقہ و ترکیب، ان کے شرائط و فرائض، ان کے سنن و آداب سے واقفیت نہیں رکھتی یا پوری واقفیت نہیں رکھتی، جس کی بنا پر ان کی بجا آوری کامل اور صحیح طور پر نہیں ہو پاتی؛ مگر ان کو کوئی احساس اس کا نہیں ہے۔ بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جنہیں قرآن کریم پڑھنا ہی نہیں آتا اور جن کو آتا ہے؛ ان میں اکثریت ان کی ہے، جنہیں صحیح انداز سے تجوید کے ساتھ پڑھنا نہیں آتا؛ مگر اس کا کسی کو احساس تک نہیں ہوتا۔

معاملات میں خرابیاں

پھر معاملات کی دنیا میں جو افراط و تفریط، جو بے اصولی و بے اعتدالی پائی جاتی ہے، وہ نہ صرف اہل اسلام کے حق میں تشویش کا باعث ہے؛ بلکہ اس لحاظ سے بھی سنگین و خطرناک ہے کہ یہ صورت حال غیر مسلم اقوام و ملل کو اسلام کے بارے میں منفی تصورات قائم کرنے پر ابھارتی و آمادہ کرتی ہے، چنانچہ جھوٹ، مکر و فریب، دھوکہ بازی و چال بازی، ناپ تول میں کمی، وعدہ خلافی، اشیاء میں ملاوٹ وغیرہ

نا خوشگوار و انتہائی مکروہ و نازیبا افعال مسلمانوں میں رائج ہو چکے ہیں۔ پھر حلال و حرام میں امتیاز سے لاپرواہی و غفلت، سودی لین دین میں ابتلاء، مظلوم و ضعیف افراد پر ظلم و تشدد کے ذریعہ یا جھوٹی دستاویزات کے ذریعہ ان کا مال چھین لینا، وبالینا لڑکیوں کو اور بہنوں کو وراثت سے محروم کر دینا بھی مسلم معاشرے میں کوئی معیوب بات نہیں رہی؛ بلکہ بہت سارے لوگ ان باتوں کو حق سمجھے ہوئے ہیں یا یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ معاملات و معاشرت میں ہم پر کوئی پابندی نہیں۔ کمائی کیلئے اور اپنی دنیا بنانے کیلئے جو راستہ، جو حیلہ، جو تدبیر چاہے اختیار کر سکتے ہیں۔

اور مولوی حضرات کا اس سلسلے میں متنبہ کرنا، ان کو عجیب لگتا ہے؛ یہاں تک کہ بعض مساجد کے ذمہ داروں کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے سود کی حرمت پر بیان کرنے پر خطیب کو خطابت سے روک دیا۔ گویا یہ باتیں کہنے اور بیان کرنے کی نہیں ہیں، گویا یہ حضرات وہ بات بزبان حال کہنا چاہتے ہیں، جو کبھی قوم شعیب عَلَيْهِمُ السَّلَام نے بزبان قال کہی تھی، جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے کہ

﴿ قَالُوا يَشْعِبُ أَمْوَالُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَتْرَكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ تَفْعَلَ فِيهِ أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴾ [سورہ ہود: ۸۷]

(کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری دینداری تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی عبادت چھوڑ دیں جو ہمارے آباء و اجداد پوجتے تھے، اور یہ کہ ہم اپنے مالوں میں ہماری مرضی کے مطابق تصرف کریں؟ واقعی تم بڑے عقل مند اور دین پر چلنے والے ہو۔)

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت

کھینچتے ہیں:

ان کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی یوں سمجھتے تھے کہ دین و شریعت کا کام صرف عبادت تک محدود ہے، معاملات میں اس کا کیا دخل ہے؟ ہر شخص اپنے مال میں جس طرح چاہے، تصرف کرے، اس پر پابندی لگانا دین کا کام نہیں۔ جیسے اس زمانے میں بھی بہت سے بے سمجھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں۔

(معارف القرآن: ۶۶۳/۴)

اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنے خطبات ”اسلام اور ہماری زندگی“ میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

”حضرت شعیب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی قوم نے کہا تھا کہ
 أَصْلُوْنُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَتْرَكَ مَا يَغْنَدُ آبَاؤَنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ
 فِيْ أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ“ یعنی یہ جو ہمیں منع کر رہے ہیں کہ کم مت ناپو، کم
 مت تولو، انصاف سے کام لو، حلال و حرام کی فکر کرو، تو یہ آپ نے
 ہمارے معاشی مسائل میں کہاں سے دخل اندازی شروع کر دی؟ تم اگر
 نماز پڑھنا چاہو، تو اپنے گھر جا کر نماز پڑھو، کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات
 کا حکم دیتی ہے؟ کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں، جن کی ہمارے آباء و
 اجداد عبادت کرتے تھے یا ہمارا جو مال ہے، اس میں ہم جو چاہیں
 کریں؟ حقیقت میں یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ یہ مال ہمارا ہے، یہ
 دولت ہماری ہے، اس پر ہمارا سکہ چلے گا، تصرف ہمارا ہے، ہم جس طرح

چاہیں گے، کریں گے، جس طرح چاہیں گے، کمائیں گے اور جس طرح چاہیں گے، خرچ کریں گے۔ قوم شعیب عَلَيْهِمُ السَّلَامُ کی یہی ذہنیت تھی۔

(اسلام اور ہماری زندگی: ۲۳/۷۷)

الغرض ایسا لگتا ہے کہ ان کے نزدیک معاملات و تجارت، معاشیات و اقتصادیات کا باب اسلام کے رہنما اصول کا سرے سے محتاج ہی نہیں؛ جب کہ اسلام اپنے بارے میں قرآن پاک کے ذریعہ یہ اعلان پوری صفائی اور پوری توانائی کے ساتھ کرتا ہے کہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ (آج میں نے تمہارے دین اسلام کو مکمل کر دیا) [سورۃ مائدہ: ۳]

جب اسلام کو کامل و مکمل کر دیا گیا اور یہ اپنی کاملیت و اکملیت کے ساتھ منصہ شہود پر جلوہ نما ہے، تو آخر اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ معاملات اور اقتصادیات میں ہم آزاد ہیں؟ اور ہمیں اسلام کے رہنما اصولوں کی اس باب میں کوئی حاجت و ضرورت نہیں؟

غرض یہ کہ معاملات کی دنیا میں ہم نے اسلام سے آزادی کا گویا کھلا اعلان کر کے من مانی زندگی اختیار کر لی ہے۔ سود کی برائی کی جگہ اس کی خوبی پر ایمان ہے، رشوت کی مذمت کا اسلامی قانون فرسودہ دکھائی دیتا ہے اور انشورنس اور بیمہ پالیسی میں بجائے قساوت قلبی و خونخواری کے انسانی ہمدردی و غمخواری کا جذبہ محسوس ہوتا ہے؛ جب کہ اسلام ان سب چیزوں سے کھل کر اختلاف کرتا ہے اور ان کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔

اس صورت حال سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ آج مسلمانوں کے

معاملات اسلام کی رہنمائی سے کس قدر دور ہو چکے ہیں؟

باب معاشرت و اخلاق اور ہم

رہا معاشرت و اخلاق کا باب، تو اس کو بھی اسلام کی ہدایت و تعلیم سے ہم نے آزاد کر رکھا ہے، جب کہ اس سلسلہ میں اسلام ہماری پوری طرح رہنمائی کرتا ہے، وہ معاشرتی زندگی میں استواری و سدھار کیلئے معاشرہ میں مختلف طبقات و افراد کے آپسی حقوق و آداب سکھاتا ہے، ماں باپ کے، اولاد کے، بیوی اور شوہر کے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے، دوستوں اور شناساؤں کے، بھائی و بہنوں کے، ان سب کے حقوق و آداب کی ایسی بلند معیار تعلیم و ہدایت دیتا ہے کہ اس سے بلند و بہتر، اس سے اعلیٰ و افضل ہدایت و تعلیم کا کوئی امکان نہیں، لیکن ہم نے ان سارے حقوق و آداب کو یکسر فراموش کر رکھا ہے۔

اسی لئے ماں باپ کو اپنی اولاد سے شکایت ہے اور اولاد کو اپنے والدین سے شکوہ ہے۔

میاں اور بیوی کی آپسی ذمہ داریاں اور ان کے آپسی حقوق و آداب اسلام سے بہتر کسی قانون، کسی صحیفہ، کسی مذہب نے پیش نہیں کئے؛ لیکن عورتوں کے ساتھ مسلم معاشرہ میں ہونے والی زیادتیوں، مردوں کی طرف سے انکے حقوق میں ہونے والی پامالیوں اور انکے ساتھ کی جانے والی بدسلوکیوں نے غیر مسلم قوموں اور افراد کے مابین اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے ہیں، جس کی بنا پر لوگوں میں اسلام سے تنفر و بعد بڑھتا جا رہا ہے اور لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ مسلم عورت کا مسلم معاشرے میں کوئی مقام و حیثیت نہیں ہے؛ بلکہ اس پر ظلم و تشدد، اس کے حقوق کی پامالی اور اس سے بدسلوکی کا رواج ہے۔ فیہا للالاسف!

اور دوسری جانب عورتوں کی جانب سے مردوں اور ان کے خاندان والوں پر مظالم کی داستان بھی سنائی دیتی ہے، لڑکیاں شادی ہونے کے بعد مردوں کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کے بجائے، نافرمانی و بد اخلاقی سے پیش آتی ہیں اور جب مردوں کی جانب سے اس سلسلے میں کچھ پوچھ تاچھ و مطالبہ ہوتا ہے، تو اس کو ایک دوسرا رخ دینے کی سازش کی جاتی ہے اور بلاوجہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ جہیز و جوڑا کی مانگ کی جارہی ہے اور اس کی وجہ سے مظالم کئے جارہے ہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں؛ بلکہ ڈوری کیس میں پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے؛ حالانکہ مسئلہ تو یہ تھا کہ لڑکی بد اخلاق ہے، یا شوہر کے حقوق ادا نہیں کرتی یا اس کے ماں باپ کی توہین و تحقیر کرتی ہے؛ مگر اس جرم کو چھپا کر خود مرد کو مجرم بنانے کی سازش کی جاتی ہے۔

میرے سامنے ایسے کئی واقعات آچکے ہیں، جن میں لڑکے کا کیرکٹر بالکل صاف ہے اور وہ معصوم ہے، اور لڑکی حد درجہ ضدی و کیرکٹر کی خراب ہے؛ مگر شوہر کے اس مطالبے پر کہ وہ راہ راست پر آجائے اور اپنی بد اخلاقی سے توبہ کر لے، اس نے ڈوری کیس کر دیا۔

یہ ہے آج کے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کا حال و احوال، جس پر کتنا بھی رویا جائے کم ہے۔

نکاح، جہیز و جوڑا

مثلاً اسلام میں نکاح کا جو سادہ سیدھا اور آسان طریقہ تھا؛ مسلمانوں نے اس کو انتہائی مشکل، نہایت پیچیدہ اور اسراف و تبذیر کی زنجیروں سے مقید کر کے ناقابل عمل بنا رکھا ہے اور اس میں جوڑے اور جہیز کے ناجائز مطالبے نے صورت حال کو اور

زیادہ سنگین و خطرناک بنا دیا ہے۔ اس ناجائز مطالبے کی وجہ سے بے شمار لڑکیاں اپنی جوانی اور اپنے وجود سے تنگ آ کر خودکشی پر مجبور ہو جاتی ہیں، بعض لڑکیاں بے حیائی اور پردہ فروشی پر اتر آتی ہیں، بعض لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار ہو جاتی ہیں۔ پھر دوسری طرف شادی ہو جانے کے بعد بھی لڑکے کی طرف سے مطالبات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور مطالبہ پورا نہ کیا گیا، تو اس صنفِ نازک پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں، زبرد کو ب سے کام لیا جاتا ہے اور اس سے بھی وحشتناک یہ کہ اس عمل میں لڑکی کا شوہر اور شوہر کی ماں، بہنیں سب شامل ہوتی ہیں۔

مسلمانو! خدا را! غور کرو کہ کیا اس سے بھی وحشیانہ کوئی عمل ہو سکتا ہے؟ تم اللہ کو اپنا خدا اور رب مانتے ہو، محمد رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر تسلیم کرتے ہو، قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان کتاب مانتے ہو؛ لیکن عمل وہ کرتے ہو، جس کو دیکھ کر خدا اور رسول کی باغی قوموں کو بھی شرم آ جائے اور بقول اقبال مرحوم:

وضع میں تم ہوں نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اسلام نکاح کو حفاظتِ فرج اور صیانتِ نظر کا باعث قرار دے کر اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کے جذبہ سے نکاح کا حکم دیتا ہے اور نکاح کو آسان بنانے کے لئے شادی کی دھوم دھام، اس کے اندر کی فضولیات اور بے جا اخراجات سے منع کرتا ہے اور مہر بھی کم سے کم باندھنے کی تعلیم دیتا ہے۔

نیز لڑکی و لڑکے کے انتخاب میں وینداری کو معیار بنانے کی ہدایت دیتا ہے اور خوبصورتی یا مال و دولت یا حسب و نسب کو معیار و بنیاد بنانے کو معیوب و مذموم ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لِعِزَّتِهَا لَمْ يُزِدْهُ اللَّهُ إِلَّا ذُلًّا، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِمَالِهَا لَمْ يُزِدْهُ اللَّهُ إِلَّا فَقْرًا، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِحُسْنِهَا لَمْ يُزِدْهُ اللَّهُ إِلَّا ذِنَاءَةً، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَتَزَوَّجْهَا إِلَّا لِيَغْضُ بَصَرَهُ، وَ يُحْصِنَ فَرْجَهُ، أَوْ يَصِلَ رَحِمَهُ بَارَكَ اللَّهُ لَهُ فِيهَا وَ بَارَكَ لَهَا فِيهِ»

(جو شخص کسی عورت سے اسکی (خاندانی) عزت کی وجہ سے شادی کرے گا، تو اللہ اس کو زیادہ ذلت دے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے شادی کرے، تو اللہ اس کو اور زیادہ فقر و محتاجی دے گا اور جو عورت کے حسب و نسب کی وجہ سے شادی کرے، تو اللہ اس کو مزید حقیر بنا دے گا اور جو شخص اسلئے شادی کرے کہ آنکھ نیچی رہے اور شرم گاہ کی حفاظت ہو اور صلہ رحمی کرے، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ایک دوسرے کی وجہ سے برکت دے گا۔

(مسند الشامیین: برقم: ۱۱۔ معجم اوسط: ۲۳۳۲۔ مجمع الرواۃ: ۳۰۳۷۔ ۲۹۴۲۔ تخریج الاحیاء: ۳۸۰۲۔ جمع الجوامع: ۳۴۹۹۔ کنز العمال: ۴۳۵۸۹۔)

مگر اب لوگ عموماً مال و دولت اور جوڑے چیز کی لالچ و حرص میں شادی کرتے ہیں، گویا نکاح بھی ایک ذریعہ آمدنی ہے۔ پھر مطلوبہ اشیاء و سامان نہیں ملتا یا کم ملتا ہے تو اپنی درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، لڑکیوں پر ظلم و ستم کیا جاتا ہے اور ان کے قتل تک سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

طلاق ایک تماشا

پھر کبھی طلاق کے واقعات تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور لوگ بات بات پر طلاق

پکارتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر طلاق دیتے رہتے ہیں؛ بلکہ بعض تو خواہ مخواہ طلاق دینے کی عادت بنا لیتے ہیں، جبکہ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

”أَبْلَغُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ“

(یعنی اللہ کے نزدیک کبھی حلال چیزوں میں ناپسندیدہ اور مبغوض

چیز طلاق ہے۔)

(ابوداؤد: ۱۸۶۳۔ ابن ماجہ: ۲۰۰۸)

اور علماء حنفیہ نے لکھا ہے کہ طلاق میں اصل یہی ہے کہ وہ ناجائز و حرام ہے، شرع نے صرف ضرورت کے موقع پر اس کی اجازت دی ہے اور بالخصوص بیک جہش لب تمین طلاق دینے کو۔ جمہور علماء نے ناجائز و حرام قرار دیا ہے اور اس کو بدعت قرار دیا ہے۔

(دیکھو: البحر الرائق: ۲۵۷/۳۔ المجہرۃ الخیرۃ: ۳۰۱/۳۔ الدر المنثور مع الشامی:

۴۲۸/۴)

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی ایسے شخص کو لایا جاتا، جس نے تمین طلاقیں دی ہیں تو آپ اس کی بٹائی کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۹)

اور حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ حضرات صحابہ اس شخص کو کڑی سزا دیتے تھے، جو ایک بیشک میں تمین طلاق دیتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۳)

یہاں یہ سمجھ لیں کہ اسلام میں بلاشبہ طلاق مشروع ہے اور یہ طلاق کی مشروعیت اسلام کی معقولیت اور اس کے زائد جاوید ہونے کی ایک بنی اور واضح دلیل بھی ہے

اور اسی وجہ سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل و دانش سے نوازا ہے، وہ طلاق کی مشروعیت کو اسلام کے معقول ہونے اور اس کی صداقت کی دلیل سمجھتے ہیں؛ لیکن آج مسلمانوں میں اس کا غلط و بے باکانہ استعمال اور بے جا اور بکثرت استعمال جہاں مسلمانوں کی بے راہ روی و بے اعتدالی کی نشاندہی کر رہا ہے، وہیں اسلام پر کچڑ اچھالنے والوں اور اسلام دشمن عناصر کو اسلام کے خلاف لب کشائی کا موقعہ بھی فراہم کر رہا ہے اور اسلام کے چہرہ پر ایک بد نما داغ بنا ہوا ہے؛ حالانکہ اسلام نے جہاں طلاق کو مشروع فرمایا؛ وہیں اس کے استعمال کا موقعہ اور محل بھی بتایا ہے، اس کے جواز کے شرائط و قیود بھی بیان کئے ہیں، اس کا وقت اور طریقہ بھی ذکر فرمایا ہے اور یہ بات ہر کسی پر واضح ہے کہ ہر اچھی سے اچھی چیز اور صحیح سے صحیح بات بھی اگر بے موقعہ یا غلط طریقے سے استعمال کی جائے، تو وہ اپنا فائدہ کھو دیتی؛ بلکہ الٹا نقصان پہنچاتی ہے؛ مگر آج لوگ ان تمام چیزوں سے آنکھ بند کر کے بے تحاشا و بے محابا تین طلاق پکار بیٹھتے ہیں اور یہ طلاق لوگوں کیلئے ایک تماشا اور اسلام پر ہنسی اور مذاق کے لئے ایک بہانہ اور اس کے خلاف لب کشائی کے لئے ایک حربہ بن جاتی ہے۔

ہماری تہذیب و تمدن

پھر ذرا ہماری تہذیب و تمدن پر نگاہ فرمائیے۔ یا تو ہم اپنے آپ کو ہر قسم کی تہذیب و شائستگی اور اصول معاشرت سے آزاد و بے پرواہ بنائے ہوئے ہیں اور اسے دیکھنے والے دیکھ کر ہم ہی سے نہیں، اسلام سے بھی دور ہو جاتے ہیں یا پھر ہم نے اسلام کے باغیوں اور مخالفوں، یہود و نصاریٰ، ہنود و مجوس کی تہذیب و معاشرت اپنائی ہے، وضع قطع، لباس و پوشاک، طرز و انداز، بول چال، لب و لہجہ، نشست و برخاست، کھانا اور پینا غرض ہر چیز میں کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہم کو

پسند ہے۔

بہت سے پڑھے لکھے مسلم گھرانوں میں بے حیائی و بے پردگی، مردوں اور عورتوں کا اختلاط ایک فیضن اور قابل فخر بات سمجھی جاتی ہے، اس کے بالمقابل شرم و حیا اور حجاب کو ایک معیوب رواج و فرسودہ طریقہ خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی لڑکیاں بے محابا اور بے حجابانہ گھومتی پھرتی ہیں، غیر لڑکوں سے تعلقات قائم کرتی ہیں؛ بلکہ ان کو اپنے گھروں میں لاتی ہیں، ان کے ساتھ سیر و تفریح کرتی ہیں، کبھی اسکولوں و کالجوں میں، کبھی اپنے دفاتروں میں اور کبھی کسی تقریب یا اور کسی موقع سے یہ تعلقات بلا کسی ادنیٰ کراہت کے جاری و ساری رہتے ہیں، مگر ان گھرانوں میں یہ کوئی معیوب بات ہی نہیں سمجھی جاتی؛ بلکہ الٹا قابل فخر اور روشن خیالی کی دلیل و علامت سمجھی جاتی ہے۔

غرض یہ کہ ایک بڑے طبقے کو اسلامی طریقہ، اسلامی آداب، اسلامی اصول فرسودہ یا موجودہ دور کے لحاظ سے نعوذ باللہ معیوب نظر آتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس لباس کی کیا ضرورت ہے؟ کوئی کہتا ہے ڈاڑھی نہ رکھا، تو کیا مسلمان نہیں ہو سکتا؟ کوئی کہتا ہے کہ حجاب عورتوں کی ترقی میں رکاوٹ ہے، کوئی اس کو دقیا نویسیت کی علامت قرار دیتا ہے، کوئی پوچھتا ہے کہ جدید طریقہ اور طرز و انداز کو اختیار کرنے میں کیا خرابی ہے؟

مگر یہ سوالات کرنے والے کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ آخر اسلامی طرز و انداز، اسلامی آداب و اصول، اسلامی لباس و پوشاک، اسلامی وضع قطع میں آخر کونسی خرابی تھی، جس کی وجہ سے یہ ان کو نامانوس و معیوب اور ناقابل عمل دکھائی دیتے ہیں اور ان لوگوں نے اس سے توبہ کر لی ہے؟

پانچویں فصل

موجودہ اسلامی معاشرے پر جاہلیت کے آثار

غرض یہ کہ ہر اعتبار سے ہم میں نقص و عیب ہے، کمی و کوتاہی ہے، غفلت و نکاسل ہے اور حق سے اعراض و روگردانی ہے، جاہلیت و جہالت کا تسلط ہے۔ جاہلی دور کے بارے میں اوپر عرض کیا جا چکا ہے، یہاں وضاحت کے لئے ایک دو مثالیں بطور ”نمونہ از خروارے“ ذکر کرنا مناسب لگتا ہے:

جاہلی معاشرے میں عورتوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کی جو لہر چلتی تھی، جس نے انسانیت کا سر شرم کے مارے جھکا دیا تھا، کس قدر قابل حیرت و افسوس ناک بات ہے کہ وہ کسی نہ کسی درجے میں آج بھی موجود ہے۔ جوڑے جہیز کی مانگ، شادیوں میں بے جا مطالبات، جسدانی و ذہنی اذیت، مار توڑ اور قتل، وغیرہ اخلاقی جرائم و روحانی رذائل کی رپورٹیں روز روز اخبارات و جرائد میں شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کیا یہ جہالت و جاہلیت نہیں ہے؟

جاہلی دور کی ایک انتہائی خالمانہ و مجرمانہ ذہنیت یہ تھی کہ لڑکی کی پیدائش کو معیوب و منحوس خیال کیا جاتا تھا، اور کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی، تو اس ذہنیت کا منفی اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کا باپ اس کو زندہ درگور کر دینے ہی میں اپنی عزت سمجھتا تھا۔ اور آج ہمارے مسلم معاشرے میں بھی لڑکیوں کے وجود کو منحوس و معیوب سمجھنے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اس قسم کی ذہنیت کے لوگوں میں عموماً یہ دیکھا گیا کہ لڑکی کی پیدائش کی سزا میں اپنی بیوی کے ساتھ ظلم و زیادتی و بدسلوکی کرتے ہیں

اور حد یہ ہے کہ بعض لوگ تو طلاق بھی دیدیتے ہیں۔ کیا یہ وہی جاہلی ذہنیت نہیں ہے؟
دور جاہلیت میں فحش و بے حیائی کوئی معیوب چیز نہیں تھی؛ بلکہ یہ اس زمانے کا ایک فیشن تھا، لڑکوں اور لڑکیوں میں معاشرت، معاشرت کا بر ملا تذکرہ، اپنے قصائد و غزلوں میں اس کے اشارے، کنائے کئے جاتے تھے؛ بلکہ بعض وقت صراحت سے بھی گر پڑ نہیں ہوتا تھا اور پھر اس سے آگے زنا و حرام کاری میں بھی کوئی باک نہ ہوتا تھا۔ غور کیجئے تو آج کا دور بھی اسی کی عکاسی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کا ماحول اس وقت جاہلیت کا پورا پورا نقشہ پیش کر رہا ہے، اور یہ سارے امور یہاں کے ماحول میں بھی ایک فیشن بن چکے ہیں؛ حتیٰ کہ جو اسٹوڈنٹ اس قسم کی خرافات میں حصہ نہ لیتے ہوں، ان کو اس ماحول میں بے وقوف سمجھا جاتا اور انہیں لگا ہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

نیز اس صورت حال میں مزید قوت و شدت پیدا کرنے والے عوامل و بواعث میں ٹی وی، موبائل فون، انٹرنیٹ، فیس بک، وغیرہ کا بڑا عمل دخل ہے، جنہوں نے گھر گھر میں فحش و بے حیائی کو داخل کر دیا ہے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگیوں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ سب کچھ جدت نوازی و ترقی پسندی کے عنوان پر کیا جا رہا ہے، اور لوگ ان جدید آلات کو اپنے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل خیال کرتے ہیں اور جوان آلات سے واسطہ نہ رکھتا ہو، اس کو پس ماندہ و قیانوس قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسی لئے آج کل کے بعض روشن خیال لوگ اہل مدارس کو پوری سنجیدگی، و خلوص و للہیت سے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ مدارس میں بھی ان مواصلاتی آلات و وسائل ابلاغ کو داخل کیا جائے اور طلبہ کو انٹرنیٹ کی دنیا سے ضرور روشناس کرایا

جائے۔ ان حضرات کے ان مشوروں کے پیچھے کتنا بھی خلوص و لگنیت ہو اور اہل مدارس سے کتنی بھی ہمدردی و مٹھواری ہو؛ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیوی مفادات و مادی منافع کے پیش نظر ان وسائل و آلات کے مفاسد و خطرناک نتائج ان لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ اگر یہ حضرات ذرا سی بھی توجہ ان کے مفاسد و ہولناک نتائج کی جانب کریں اور ان مفاسد و خطرناک نتائج کا ان کے منافع سے موازنہ کریں، تو شاید یہ مشورہ دینے میں احتیاط برتیں۔

اسی طرح جاہلی عصر کا ایک امر خاندانی تعصب ہوا کرتا تھا کہ جاہلی لوگ اپنے خاندان پر فخر، اس کی بڑائی و عظمت، دوسرے خاندانوں کی تحقیر و تذلیل کیا کرتے تھے۔ یہ خاندانی تعصب بھی بیشتر لوگوں میں آج پایا جاتا ہے؛ حتیٰ کہ بعض خاندان ایسے ہیں، جن میں اپنے خاندان یا قبیلے کی جانب منسوب کر کے مساجد بھی بنائے جاتے ہیں اور نکاح رجسٹر بھی ان کا الگ ہوتا ہے اور نکاح ہونے والے لڑکے و لڑکی کا بھی ایک ہی خاندان سے ہونے کو لازم تصور کیا جاتا ہے؛ بلکہ بعض علاقوں میں برادر یوں میں بھی اس کا خیال لازمی طور پر رکھا جاتا ہے کہ نکاح ہونے والے جوڑے کا ایک ہی برادری سے تعلق ہو، اور اس کے خلاف کرنے کو نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ بعض جگہ اس کی خلاف ورزی پر خلاف ورزی کرنے والوں کا برادری والے بائیکاٹ کر دیتے ہیں۔

حالانکہ یہ مسئلہ کفو والی بات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا؛ کیونکہ کفو کی جو حقیقت ہے، اس میں فقہاء کے مطابق اہل ہند کے کئی خاندان ایک دوسرے کے کفو ہیں؛ مگر یہاں لوگ ہر خاندان کو دوسرے سے الگ خیال کرتے ہیں اور اس سے آگے یہ کہ برادر یوں کو ایک دوسرے سے الگ مانتے ہیں اور پھر ان میں ایک دوسرے سے

نکاح کو معیوب سمجھتے ہیں، جو اسلامی کفو سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

الغرض یہ جاہلیت آج ہم میں رائج ہے اور ہمیں اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ جس جاہلی نظام کو ختم کرنے اللہ تعالیٰ نے آقائے مدنی ﷺ کو بھیجا اور آپ نے بڑے مصائب جھیل کر اور ہزاروں قسم کی جانی و مالی قربانیوں کو پیش کر کے اس کی جگہ اسلامی نظام قائم فرمایا، آج ہم خود اس نظام اسلامی کو چھوڑ کر جاہلی نظام پر کار بند ہیں۔

اللہ کرے کہ ہمارے معاشرے میں رواج پذیر جاہلانہ تصورات و نظریات سے ہم توبہ کریں اور دور ہوں اور اس سچے و پاکیزہ اسلامی نظام پر جینے و مرنے کی ہمت کریں۔

چھٹی فصل

غربتِ اسلام کا زمانہ اور ایک نبوی پیش گوئی

غالباً غربتِ اسلام کی جو پیشین گوئی احادیث میں وارد ہوئی ہے، اس کی ابتداء ہو چکی ہے اور اسی کا ایک درجہ یہ بھی ہے، جو ہمارے مشاہدے میں آ رہا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن مسعود و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

”بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَ سَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا ، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ “۔ (اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور غریب لوگوں کے لئے جو اجنبیت کے زمانے میں اسلام پر ثابت قدم رہنے

والے ہیں۔)

(مسلم: ۳۸۹، ترمذی: ۲۶۲۹، ابن ماجہ: ۳۹۸۶، ۳۹۸۷، ۳۹۸۸، احمد: ۳۹۸۷/۱)

(۳۸۹/۲)

اس حدیث کی شرح میں امام طحاوی رحمہ اللہ نے ”بیان مشکل الآثار“ میں فرمایا کہ

”فَتَأْتِلُنَا هَذِهِ الْأَثَارُ ، فَوَجَدْنَا الْإِسْلَامَ دَخَلَ عَلَى أَشْيَاءَ لَيْسَتْ مِنْ أَشْكَالِهِ ، فَكَانَ بِذَلِكَ مَعَهَا غَرِيباً لَا يُعْرَفُ ، كَمَا يُقَالُ لِمَنْ نَزَلَ عَلَى قَوْمٍ لَا يَعْرِفُونَهُ : إِنَّهُ غَرِيبٌ بَيْنَهُمْ ، ثُمَّ اخْتَبَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَعُودُ كَذَلِكَ ، فَيَكُونُ مِنْ نَزْعٍ عَمَّا عَلَيْهِ الْخَلَّةُ الْمَذْمُومَةُ إِلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ الْخَلَّةُ الْمَحْمُودَةُ غَرِيباً بَيْنَهُمْ“

(ہم نے ان احادیث میں غور و فکر کیا، تو ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام ایسے حالات میں داخل و ظاہر ہوا، جو اسلام سے ملتے جلتے نہیں تھے، لہذا وہ ان حالات میں غریب و انجانا ہو گیا، جیسے اس شخص کو غریب کہتے ہیں، جو ایسی قوم میں اترے، جس کو وہ پہچانتے نہ ہوں، پھر اللہ کے رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے خبر دی کہ وہ پھر اسی حالت کی جانب لوٹ جائے گا، لہذا جو شخص بری صفت و حالت سے نکل کر اچھی صفت و حالت کی جانب آئے گا، وہ بھی لوگوں میں غریب و انجانا سمجھا جائے گا۔)

(بیان مشکل الآثار: ۱۴۹/۲)

اور مشہور شارح حدیث علامہ عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ نے ”فیض القدير شرح جامع الصغیر“ میں فرمایا کہ

”حدیث کی مراد یہ ہے کہ اسلام جب اول وبلہ میں ظاہر ہوا، تو اس کو لے کر کھڑے ہونے والے اور اس کی جانب سے دفاع کرنے والے رسول علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے اور قبائل میں سے نکلے ہوئے لوگوں میں سے بہت کم لوگ تھے، پس ان لوگوں کا اپنے شہروں سے دین کے لئے نکلنے اور اپنے علاقوں سے کوچ کرنے سے آدمی دوسروں سے الگ و جدا ہو جاتا اور مسافر کی طرح ایک جانب پڑا رہتا ہے، پھر اسلام اس کے بعد اسی پرانی حالت کی جانب لوٹ آئے گا کہ اس پر قائم رہنے اور چلنے والے سوائے چند گئے چنے افراد کے کوئی نہ ملیں گے۔“

(فیض القدير: ۲/۴۰۷)

ان دونوں حضرات ائمہ کے بیانات کا حاصل یہ نکلا کہ جس طرح ابتدائی دور میں اسلام لوگوں کے لئے اجنبی تھا کہ اس کے احکام و فرامین، اس کی تعلیمات و ہدایات اور اس کے طور و طریقے ان کے لئے غیر مانوس تھے اور وہ انہیں حیرت کے ساتھ اور اجنبی نگاہوں سے دیکھتے تھے، نیز خدا سے بغاوت و روگردانی کا وبال، رسولوں کی تکذیب و تحقیر کا عذاب اور آخرت سے غفلت کی تباہ کاری، قتل و عارت گری کی مذمت، لڑائی و جھگڑے کی نحوست، شراب و نشہ بازی کی حرمت، سودی لین دین کی برائی، رشوت خوری کی تباہی، بے پروگی و بے حیائی کی خرابی، حب دنیا کی روسپائی وغیرہ امور جب انبیاء اور ان کے جانشینوں سے سنتے تھے، تو یہ ان کے لئے

حیرت در حیرت کا باعث بن جاتے تھے، نیز اللہ کی عبادت، رسول کی اطاعت اور نیکی و خوبی کی اتباع وغیرہ امور کا درس سنتے تھے، تو ان لوگوں کو یہ باتیں تعجب خیز لگتی تھیں اور اس لئے اس کی جانب سے نفور و دور تھے اور بہت کم لوگ اس کو ماننے اور اس کو لے کر چلنے والے تھے، اسی طرح ایک دور ایسا آئے گا کہ اسلام لوگوں کی نگاہوں میں غیر مانوس ہو جائے گا اور اس پر چلنے والے بہت کم گننے چنے رہ جائیں گے۔

ذرا غور کر کے دیکھئے کہ کیا آج اس پیش گوئی کے مطابق بہت کچھ حالات و واقعات رونما نہیں ہو رہے ہیں؟ کتنے ہیں؟ جن کو ڈاڑھی کی سنت اجنبی بن چکی ہے، عورت کے حق میں پردہ ناقابل فہم لگتا ہے، سود کی حرمت اور حرام و حلال میں تمیز کی بات فرسودہ معلوم ہوتی ہے، دینداری و تقویٰ طہارت کا تذکرہ قابل عمل نہیں لگتا، اسی طرح بہت سے احکامات خداوندی و تعلیمات نبوی سے انقباض و اعراض ہونے لگتا ہے۔

آج سے بہت پہلے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد ابراہیم بن نصر رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا کہ

”کیف بک اذا بقیت الی زمان شہدت فیہ نامسا لا

یفرقون بین الحق والباطل ولا بین المؤمن والکافر ولا بین

الأمین والخائن ، ولا بین الجاہل والعالم ، ولا یعرفون

معروفا ولا ینکرون منکرا“

(تمہارا کیا حال ہوگا اس وقت کہ اگر تم زندہ رہے، تو دیکھو گے کہ

لوگ نہ حق و باطل میں فرق کرتے ہیں، نہ مومن و کافر میں، نہ امین و

خائن کا ان کو امتیاز ہے، نہ جاہل و عالم کا اور نہ وہ معروف کو معروف جانتے ہیں اور نہ منکر کو منکر سمجھتے ہیں۔)

امام علامہ ابن بطہ ضلی رحمہ اللہ جو چوتھی صدی ہجری کے ایک بہت بڑے امام گزرے ہیں، انھوں نے اس کو اپنی کتاب ”الابانۃ“ میں درج کر کے لکھا ہے کہ:

”إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ ہم نے اس زمانے کو پالیا اور ان باتوں میں سے اکثر کو سن لیا اور جان لیا۔ پس اگر کوئی شخص جسے اللہ تعالیٰ نے عقل صحیح اور دیدہ دینا دیا ہو اور وہ غور و فکر کرے گا اور اسلام اور اہل اسلام کے معاملے میں تامل کرے گا اور اپنے اہل و عیال کو صراطِ مستقیم پر لے چلے گا، تو اس کو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اکثر لوگ اٹنے پاؤں چلے گئے اور پیٹھ دکھا کر مڑ گئے ہیں اور صحیح دلیل سے پھر گئے ہیں اور بہت سے لوگ ان باتوں کو اچھا سمجھنے لگے ہیں، جن کو وہ پہلے برا خیال کرتے تھے اور ان چیزوں کو حلال سمجھنے لگے ہیں، جن کو پہلے حرام جانتے تھے اور منکر کو معروف خیال کرنے لگے ہیں؛ حالانکہ یہ مسلمانوں کے اخلاق نہیں تھے اور نہ ان لوگوں کے جو دین کے بارے میں بصیرت پر قائم تھے اور نہ ان کے جو ایمان و یقین والے تھے۔

(الابانۃ: ۱۸۸/۱)

جب یہ حال چوتھی صدی کا ہو، تو کیا خیال ہے اس دور کا، جس میں لوگ بدعت ہی کو سنت سمجھتے ہیں اور باطل کا نام حق دیدیا گیا ہے، رسم و رواج کو شرع کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے، حق و باطل کا امتیاز اٹھتا جا رہا ہے، فرائض کو پامال اور سنتوں کو ضائع کیا جا رہا ہے، حقوق میں کوتاہی اور آداب میں غفلت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، گانے

بجانے و فحش و بے حیائی کے کام بڑے طعنا راق سے کئے جا رہے ہیں، نیکی پر شرم محسوس کی جاتی ہے اور بے حیائی پر فخر کیا جاتا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم ، فإلی اللہ المشتکی۔

آٹھویں فصل

کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو

یہ حقیقت ہر مؤمن پر آشکارا ہے کہ اللہ و رسول کی خوشنودیاں و رضا مندیاں، دین و دنیا کی خوبیاں و بھلائیاں، آخرت کے اندر فلاح مندیاں و کامیابیاں اس کو حاصل ہو سکتی ہیں، جو کتاب و سنت کی اس شاہراہ پر گامزن ہوگا، جو مسلکِ اہل سنت و الجماعت کے نام سے موسوم و معروف ہے۔ جاہلی رسوم و رواجات، غیر اقوام کی تقلید و نقالی، دین و شریعت کی راہ سے الگ ہو کر کسی جدت پسندی و فیشن پرستی کی راہ پر چلنے والوں کو یہ دولت نہیں مل سکتی۔

لہذا ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہم دین اسلام پر چلنے اور اسی پر جینے و مرنے کا عہد کریں۔ یہاں اس سلسلے کی چند احادیث نقل کر دینا مناسب ہوگا۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« أَبْغِضَ النَّاسُ إِلَى اللَّهِ ثَلَاثَةً : مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ ، وَ مُتَّبِعٌ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ مُطْلِبٌ دَمَ الشَّرِيِّ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرَيْقَ دَمُهُ . »

(تین آدمی اللہ تعالیٰ کو لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند ہیں: ایک حرم میں نافرمانی کرنے والا، دوسرے اسلام میں جاہلیت کے طریقے تلاش کرنے والا، تیسرے بلاوجہ مسلمان آدمی کے خون بہانے کے لئے اس کا مطالبہ کرنے والا۔)

(بخاری: ۶۸۸۲۔ سنن کبریٰ بیہقی: ۲۸/۸)

(۲) حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن مسعود و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

«بَدَأَ الْإِسْلَامَ غَرِيبًا وَ سَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا ، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ»

(اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور غریب اجنبیت ہی کی حالت کی جانب لوٹ جائے گا۔ پس خوشخبری ہو، ان لوگوں کے لئے، جو اجنبیت کے زمانے میں اسلام پر ثابت قدم رہنے والے ہیں۔)

(مسلم: ۳۸۹۰۔ ترمذی: ۲۶۲۹۔ ابن ماجہ: ۳۹۸۶، ۳۹۸۷، ۳۹۸۸۔

احمد: ۳۹۸۱/۲، ۳۸۹/۲)

بعض روایات میں غرباء کی تفسیر بھی وارد ہوئی ہے، جیسے فرمایا کہ
«فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُضْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ سُنَّتِي»

(غرباء کے لئے خوشخبری ہو، جو اصلاح کرتے ہیں، ان امور کی جو میری سنت و طریقے میں سے لوگوں نے بگاڑ دی ہیں)

ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا کہ غرباء کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ

«الَّذِينَ يُضْلِحُونَ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ»

(وہ جو اصلاح کریں گے، ان چیزوں کی، جو لوگوں نے بگاڑ دی

ہیں۔)

(مسند احمد: ۳/۳۷۷۔ معجم کبیر طبرانی: ۲۴۷/۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ سے معلوم کیا گیا کہ غرباء کون ہیں؟ تو فرمایا: "النُّزَاعُ مِنَ الْقَبَائِلِ" (یعنی قبیلوں میں سے نکلے ہوئے۔)

(ابن ماجہ: ۳۹۸۸۔ مسند احمد: ۳۹۸۸۔ مسند بزار: ۳۳۳/۵۔ مسند ابویعلیٰ:

۲۸۸/۸)

اور "نُزَاعٌ"، نَزَاعٌ یا نَزَاعٌ کی جمع ہے اور نَزَاعٌ یا نَزَاعٌ کہتے ہیں، اس شخص کو جو اپنے اہل و عیال و خاندان سے جدا ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ دین اس قدر اچھٹی ہو جائے گا کہ اس پر چلنے والے کو اپنے لوگوں سے بھی جدا ہو جانا پڑے گا اور اس کو ہجرت کر کے مدینہ جانا پڑے گا۔

(المفہم شرح مسلم للقرطبی: ۱۲۸/۲)

(۳) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری جانب رخ کر کے ایک تبلیغ نصیحت فرمائی، جس کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں بہہ گئیں اور دل خوف زدہ ہو گئے۔ پس ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ تو ایسی نصیحت ہے جیسے کوئی وداع کرنے والا نصیحت کرتا ہے، پس آپ اور کچھ نصیحت کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبِشًا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى إِخْلَاقًا كَثِيرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَ عَصُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَ إِنَّاكُمْ وَ مُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.»

(میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی، اگرچہ کہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ جو کوئی تم میں سے زندہ رہے گا، وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، ان کو پکڑ لو اور ڈاڑھوں سے مضبوط تھام لو اور دین میں نئی نئی باتوں یعنی بدعات سے بچو؛ کیونکہ ہر دین میں جاری کی جانے والی نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔)

(ابوداؤد: ۴۶۰۹۔ مستدرک: ۱۲۶/۳۔ صحیح ابن حبان: ۱۷۹۱)

(۳) حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَابِ ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا ، وَ لَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ مِنَ الْحِجَابِ مَعْقِلَ الْأُرْيَةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا ، وَ سَيَرْجِعُ غَرِيبًا ، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ ، وَهُمْ الَّذِينَ يُضْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ

بَعْدِي مِنْ سُتِّي.»

(بلاشبہ دینِ سمٹ کر حجاز کی جانب چلا جائے گا، جیسے کہ سانپ اپنے سوراخ کی جانب سمٹ کر چلا جاتا ہے، اور دینِ حجاز میں اسی طرح پناہ لے گا جیسے جنگلی بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے۔ بیشک دینِ اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور اسی غربت کی حالت پر لوٹ جائے گا، پس غرباء کے لئے خوش خبری ہو، اور غرباء وہ لوگ ہیں، جو اصلاح کریں گے، ان باتوں کی، جو میری سنتوں میں سے لوگوں نے بگاڑ دی ہیں۔)

(ترمذی: ۲۶۳۰۔ معجم کبیر طبرانی: ۴۰۳۱۱)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« اَلْفَتَرَقَ الْيَهُودُ عَلَى اِحْدَى اَوْ ثَتَيْنِ وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً، وَ تَفَرَّقَتِ النَّصَارَى عَلَى اِحْدَى اَوْ ثَتَيْنِ وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً وَ تَفْتَرِقُ اُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً.»

(یہود اکثر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بھی اکثر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔)

(ابوداؤد: ۴۵۹۶۔ السنن الکبریٰ بیہقی: ۲۰۸۱۰۔ مستدرک: ۲۱۷۱۔)

(السید لابن ابی عاصم: ۶۶)

(۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

« لَيَأْتِيَنَّ عَلَى اُمَّتِي مَا اَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ خَذَوُ النَّعْلِ

بِالنَّعْلِ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ فِيهِمْ مَنْ أَتَىٰ أُمَّةً غَلَابِيَّةً، لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يُصْنَعُ ذَلِكَ. وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَىٰ ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِينَ مِלَّةً وَ تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَ سَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي.»

(ضرور بالضرور میری امت پر وہ زمانہ آئے گا، جو بنی اسرائیل پر آیا تھا، جس طرح جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر ان لوگوں میں کوئی ایسا تھا، جس نے اپنی ماں سے علانیہ منہ کالا کیا تھا، تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا ہوگا اور بلاشبہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک کے سوا سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کونسا فرقہ ہے؟ فرمایا: وہ فرقہ جو میرے اور صحابہ کے طریقہ پر ہے۔)

(ترمذی: ۲۶۳۱۔ مستدرک حاکم: ۱/۲۱۸)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

« تَفْتَرِقُ هَذِهِ الْأُمَّةُ عَلَى ثَلَاثٍ وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً ، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً ، قَالُوا : وَمَا تِلْكَ الْفِرْقَةُ ؟ قَالَ : مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي . »

(یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک کے، وہ

سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے معلوم کیا کہ وہ کونسا فرقہ ہے؟ تو فرمایا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے۔ (معجم اوسط طبرانی، ۱۵: ۱۳۔ معجم صغیر طبرانی، ۲: ۲۰۲)

(۸) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ

«أَلَا إِنَّ مِنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اقْتَرَفُوا عَلَى
نُسُتَيْنِ وَ سَبْعِينَ مِثْلَهُ وَإِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَ
سَبْعِينَ مِثْلَهُ ، ثِنْتَانِ وَ سَبْعُونَ فِي النَّارِ وَ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ
وَهِيَ الْجَمَاعَةُ “ وَفِي رِوَايَةٍ زِيَادَةٌ: وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِي
أَقْوَامٌ تَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ
لِصَاحِبِهِ ، لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَقْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ. »

(خبردار رہو کہ تم سے پہلے جو اہل کتاب گزرے ہیں، وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔
بہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہ جماعت ہے،
..... ایک روایت میں یہ اضافہ ہے..... اور میری امت میں ایسے لوگ
ظاہر ہوں گے، جن میں یہ خواہشات اس طرح رچی و بسی ہوئی ہوں
گی، جیسے کہ کتے کاٹے کا زہر کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا نہیں رہتا،
جس میں یہ بیماری نہ لگس جائے۔)

(ابوداؤد: ۴۵۹۷۔ السنۃ لابن ابی عامر: ۲۔ مسند الشامیین: ۱۰۸/۲۔

مسند احمد: ۱۶۹۷۹۔ مستدرک: ۲۱۸۱۱۔ معجم کبیر طبرانی: ۳۰۱/۱۳۔

ان احادیث کو بار بار پڑھئے اور غور و فکر سے دیکھئے کہ ان میں قرآن و سنت و مسلک اہل سنت والجماعت پر چلنے اور اس پر قائم و دائم رہنے کی کس قدر تاکید و ترغیب اور ایسے لوگوں کے لئے کیا کیا فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اور اس کے خلاف چلنے کی کس قدر مذمت و برائی اور اس پر کیسی نکیر اور وعید شدید سنائی گئی ہے۔

دوسرا باب

امت میں موجود بگاڑ کے اسباب

اب سوال یہ ہے کہ اس ایمانی و اعتقادی کمزوری و بگاڑ اور عملی بے راہ روی و فساد کے اسباب و بواعث کیا ہیں، یہ بگاڑ کیوں اور کیسے رونما ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بگاڑ و کمزوری کے بہت سے اسباب ہیں: اس میں شک نہیں کہ ایک طویل زمانے تک اسلامی حکومتوں کے قائم ہونے کی وجہ سے اور اسلامی شعائر و احکام سے، اہل اسلام کی مخلصانہ وابستگی کی وجہ سے، وہ ایمانی و اعتقادی بگاڑ و فساد سے بچے ہوئے تھے۔ پھر ایک جانب غیر مسلم و عجمی اقوام سے میل ملاپ و اختلاط اور دوسری جانب جاہل صوفیوں و گمراہ چہروں کی باطل و باطنی تحریکات کے اثر و نفوذ اور تیسری جانب اسلامی خلافت کے ضعف و انحلال نے امت کے اندر منفی اثرات پیدا کر دیئے۔ پھر جب اسلامی خلافت کا دور ختم ہوا اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، تو ان میں سے بعض ریاستیں باطل فرقوں و نظریات کے حاملین عبیدہ، اسماعیلیہ، وغیرہ نے قائم کیں، جیسے مغربی ممالک میں باطنیہ نے، بطلونیہ نے مصر میں، فاطمیہ نے شمالی افریقہ میں، حمدانیوں نے شمالی عراق و شام میں، شیعہ نے ایران میں۔ تو اس وقت وہاں ان راستوں کے زیر سایہ

آستانے و مقابر بنائے گئے اور ان کی تعظیم و تکریم میں غلو سے کام لیا گیا، مزارات پر قبے، ان کی تزئین و آرائش، ان کی زیارت کے لئے سفر، وغیرہ امور کا سلسلہ دراز ہوا۔

الفرض ان اجمالی اسباب کے بعد ہم یہاں چند اہم اسباب کی تفصیل پیش کرنا چاہیں گے، جنہوں نے اس صورت حال کو پیدا کیا ہے:

علم دین سے ناواقفیت

ان میں سے ایک بڑا اور اہم سبب یہ ہے کہ اکثر لوگ علم دین سے ناواقف اور دور ہیں اور جب علم دین نہیں ہوتا، تو دین کہاں سے آئے گا، لہذا لامحالہ دین سے دور ہو جاتے اور بدعتیہ گروں اور ایمانی کمزوریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اسی لئے اسلام نے علم دین کی اہمیت و ضرورت و فرضیت کا اعلان کیا ہے۔ ایک مشہور حدیث میں فرمایا گیا کہ

« طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ » (علم دین کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

(سنن ابن ماجہ: ۲۲۴)

اسی لئے علماء و مفتہاء نے لکھا ہے کہ:

فرائض جیسے: اللہ کی معرفت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، نیز حلال و حرام امور کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور جو امور فرض کفایہ ہیں، ان کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔

(الدر المختار: ۱۲۶)

علم دین دراصل ایک روشنی ہے، جس سے انسان حق و باطل، اچھے و برے اور

صحیح و غلط میں امتیاز کرتا ہے؛ لیکن جب آدمی علم دین کی روشنی سے محروم ہوگا، تو اس کو صحیح عقائد کا علم ہوگا، نہ اچھے عمل کی اس کو پہچان ہوگی، نہ حق و باطل میں تمیز کر سکے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دین ہی سے دور اور ضلالت و گمراہی کی خطرناک وادیوں میں بھٹکتا رہے گا۔ الغرض اس صورت حال کو پیدا کرنے میں جہالت و دین سے ناواقفیت کو بڑا دخل ہے۔

اور یہ بات لوگوں کے احوال سے کھلی ہوئی ہے کہ وہ علم دین حاصل ہی نہیں کرتے، بچے پڑھنے کے قابل ہوتے ہی ان کے ماں باپ انھیں اسکول کے حوالے کر دیتے ہیں اور دین کے علم کی کوئی فکر نہیں کی جاتی، بس بہت زیادہ توجہ کی، تو یہ کیا کہ کسی مکتب میں ناظرہ قرآن پڑھا دیا اور کچھ دعائیں اور آداب یاد کرا دئے، اس سے آگے دین کا علم کچھ نہیں دیا جاتا اور یہ بھی فارغ اوقات میں بہت غفلت و سستی کے ساتھ حاصل کرایا جاتا ہے، تو اس سے اسلامیات کی کیا تعلیم بچے کو حاصل ہو سکتی ہے؟ اس کا ہر کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔

علماء ربانین سے بدظنی و بے تعلقی

امت کے اس بگاڑ و فساد کی ایک وجہ یہ ہے کہ علماء ربانین سے امت کا رشتہ کٹنا ہوا ہے الا ماشاء اللہ؛ بلکہ امت کے اندر ایک طبقہ باقاعدہ اس کام پر لگا ہوا ہے کہ علماء حق کو بدنام کیا جائے، امت میں ان سے بدظنی پیدا کی جائے، لوگوں کو ان سے کاٹا جائے اور ان کی بے وقعتی و حقارت دلوں میں پیدا کی جائے۔

اس کا نتیجہ یہی ہے کہ لوگ علماء حق سے کٹتے و دور ہوتے جا رہے ہیں، ان سے بے نیازی برتی و اعراض کیا جا رہا ہے، نتیجہ دین و علم دین سے بھی کٹتے جا رہے ہیں، اور عقائد کے بگاڑ و اعمال کی کمزوری میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔

حالانکہ علماء کا طبقہ ہی دراصل وہ طبقہ ہے، جس کو مآخذ شریعت کتاب و سنت کا علی وجہ الاتم والا کمل علم ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے سالہا سال کی جدوجہد کرتا اور مصائب و مسائل جھیلتا ہے، بھوک و پیاس، فقر و افلاس، سختی و شدت سب کو برداشت کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں دین و شریعت اور کتاب و سنت کے حقائق و معارف، اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرتا ہے اور مزید یہ کہ ان کی صداقت و حقانیت، ان کی معقولیت و عالگیری پر کامل ایمان و یقین رکھتا ہے۔ نیز زندگی بھر لوگوں کی بے انتہائی و ناقدری کے باوجود امت کے اندر دین و شریعت کی حفاظت و اشاعت و ترویج کے لئے خدمات انجام دیتا رہتا ہے۔

مگر افسوس کہ اسی طبقے کو امت کے بعض طبقات ناکارہ و بے ہودہ، غیر ضروری و لایعنی قرار دینے کی کوششوں میں اپنا اوقات صرف کرتے ہیں اور امت کو ان سے کاٹنے و توڑنے کی مساعی کرتے ہیں۔

حالانکہ ثقہ و جانکار لوگوں نے تحقیق کی اور یہ بتایا ہے کہ اس دور میں علماء حق کے خلاف فضاء بنانے میں یہود و نصاریٰ اور اسلام دشمن طاقتوں کا ہاتھ ہے، جنہوں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ جب تک امت مسلمہ علماء سے جڑی رہے گی، اس وقت تک اسلام کو زیر کرنا ممکن نہیں، اور جب امت اپنے علماء سے کٹ جائے گی اور ان کا کوئی سرپرست و رہبر نہ ہوگا، تو ان کو کفر و ضلالت کی جس وادی میں چاہے لے جا کر گرایا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ان لوگوں نے علماء کی تحقیر و توہین، ان سے استہزاء و تمسخر، ان سے بدظنی و لافعلی پر امت کے افراد کو ابھار دیا ہے، تاکہ آہستہ آہستہ لوگ علماء سے کٹتے جائیں اور بالآخر ان دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ لہذا امت کو اس بدترین فتنے کا واقف ہونا اور دشمنوں کی چالوں سے باخبر رہنا لازم ہے۔

قرآن وحدیث اور دینی علم سے تھوڑی بہت بھی واقفیت رکھنے والا کبھی اس بات کو فراموش نہیں کر سکتا کہ علماء کے بغیر دین و علم دین کی گاڑی کبھی چل نہیں سکتی؛ بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جاہل و اناڑی لوگ دین و علم کی باتیں کر کے اور فتوے دیکر گمراہی کا دروازہ کھول دیں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرمایا کہ
 «إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ
 يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ
 النَّاسُ زُؤُوسًا جُهَالًا ، فَسَبِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَ
 أَضَلُّوا.»

(اللہ تعالیٰ اس طرح علم نہیں چھین لیتے کہ بندوں کے دلوں سے نکال لیں؛ بلکہ علماء کو موت دیکر علم کو چھین لیتے ہیں؛ یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ رکھیں گے، تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے اور ان سے مسئلے پوچھیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔)

(بخاری: ۹۸۔ مسلم: ۳۸۲۸۔ ترمذی: ۲۶۵۲۔ ابن ماجہ: ۵۴۔ احمد: ۶۵۱۱)

یہ حدیث نبوی صاف بتا رہی ہے کہ امت کو علماء کی کس قدر رشد ید ضرورت ہے، تاکہ ان کا دین و ایمان محفوظ رہے اور وہ اپنی ایمانی و روحانی زندگی کا سفر بخیر و خوبی پورا کر سکیں۔

کیوں نہ ہو جبکہ حدیث کی شہادت یہ بھی ہے کہ حضرات علماء کرام کو مقام وراثت انبیاء حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں آیا

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

« مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَرِضًا بِمَا يَصْنَعُ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْمَاءِ وَ فَضَّلَ الْعَالِمَ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضَّلَ الْقَمَرَ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَ إِنَّمَا وَرَثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ فَقَدْ أَخَذَ بِحِطِّ وَافِرٍ. »

(جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے، جس میں وہ علم طلب کرتا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں اور بے شک ملائکہ طالب علم کے لئے اس کے کام سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے وہ ساری مخلوقات جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں، مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں؛ یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے، جیسی تمام ستاروں پر چاند کی فضیلت ہے اور بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء اپنی وراثت میں نہ دینار چھوڑ جاتے ہیں نہ درہم؛ بلکہ وہ تو علم کی وراثت چھوڑتے ہیں، پس جس نے اس علم کو لیا، اس نے وافر حصہ لے لیا۔)

(ترمذی: ۲۶۸۸۲۔ ابن ماجہ: ۲۴۴۳۔ ابن حبان: ۲۸۹۹۔ مشکلی الآثار:

اس حدیث میں دیگر فضائل و مناقب کے ساتھ علماء کی ایک فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ انھیں وراثت انبیاء کا مقام حاصل ہے۔

لہذا علماء کرام کا وجود امت کے حق میں ایسا ہے جیسا کہ نبی کا وجود، کہ نبی احکام خداوندی سناتا و سمجھاتا، اور ان پر چلانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح علماء بھی یہی کام کرتے ہیں اور ان کو کرنا چاہئے۔

اور جب تک علماء کرام سے یہ کام ہوتا رہے گا اور لوگ ان سے استفادہ کرتے رہیں گے، اس وقت تک امت دین اسلام کی شاہراہ پر قائم و دائم رہے گی؛ ورنہ اس سے ہٹ جائے گی اور جہلاء امت ان کو گمراہ کرنے کی ساری تدبیریں آزما رہے ہیں گے، جیسا کہ آج دیکھنے کو ملتا ہے۔

چنانچہ کوئی جاہل تفسیر کر رہا ہے، کوئی محض ڈاکٹر و انجینئر ہونے کے باوجود حدیث و فقہ میں رائے زنی کر رہا ہے اور اسلاف و ائمہ کرام کی تردید و تغلیط کو شیوہ بنایا ہوا ہے اور لوگ ہیں کہ ان کو مان رہے ہیں اور ان کے بیان پر علماء کو ٹھکرارہے ہیں۔

حالانکہ یہ بات ایک معمولی و مانغ والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی فن کے بارے میں رائے دینے کا حق اسی کو حاصل ہے، جس نے اس فن کے پیچھے اپنی زندگی اور جان و مال لگایا ہو اور اس کے اساتذہ و ماہرین سے ایک معتد بہ زمانے تک اس کو حاصل کیا ہو اور اگر کوئی اس علم سے جاہل و بے بہرہ ہو یا از خود کچھ مطالعہ کیا ہو اور وہ میڈیکل سائنس یا کسی اور علم کے بارے میں رائے زنی کرنے لگے یا ان علوم و فنون کے ماہرین کو جنہوں نے اپنی زندگی اس کے پیچھے لگا کر، ماہر اساتذہ سے اس کو حاصل کیا ہے، ان کو جاہل و ناواقف ٹھہرائے اور ان کی بیان کردہ تشریحات و توضیحات کو غلط قرار دے، تو کیا کوئی عقل مند اس کی بات کو قابل توجہ و لائق اعتناء سمجھ سکتا ہے؟

مگر کس قدر حیرت و افسوس کا موقعہ ہے کہ آج امت میں کچھ جاہل و اناڑی لوگ، کوئی ڈاکٹر، کوئی انجینئر، کوئی پروفیسر جنھوں نے نہ کسی معتبر اساتذہ سے قرآن و حدیث کے علوم و فنون پڑھے، نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، نہ ایک زمانہ تک اس کو معتبر طریقہ سے حاصل کیا، بلکہ صرف اپنے ذاتی مطالعہ سے یا کسی اپنے ہی جیسے جاہل سے، یا کسی اردو ترجمہ کی مدد سے کچھ باتیں سیکھ لیں۔ وہ لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کو ہم جتنا سمجھتے ہیں، یہ علماء نہیں سمجھتے، اور دین کے بارے میں جس قدر بصیرت ہم کو ہے، علماء اس سے خالی ہیں۔ اور مزید حیرت یہ ہے کہ اس قسم کی ہانک اور محنتوں کی بڑکوبانی و تسلیم کرنے والے بھی موجود ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی اناڑی اس قسم کا دعویٰ میڈیکل سائنس کے بارے میں کرے اور آپ کو دعوت دے کہ ڈاکٹر کچھ نہیں جانتے، میں نے کسی سے پڑھا تو نہیں ہے؛ لیکن میں نے اپنے طور سے میڈیکل سائنس کا بغور مطالعہ کیا ہے، میرے پاس سند و سرٹیفکیٹ تو نہیں ہے؛ لیکن میں سرٹیفکیٹ والے ڈاکٹروں سے زیادہ صلاحیت و تجربہ رکھتا ہوں، لہذا اپنا علاج میرے سے کراؤ، تو کیا آپ اس کے لئے تیار ہوتے ہیں؟

اناڑی تو ایک طرف! اور اگر بیان میں منہ ڈال کر سوچنے اور بتائیے کہ کیا اگر یہ دعویٰ کوئی گراجویٹ، کوئی پروفیسر، کوئی انجینئر کرے، تو آپ اس کو روادورست سمجھتے ہیں؟

نہیں؛ کیوں؟ ایک تو اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ دعوے کرنے والا اس علم کا جانکار نہیں ہے، جو ڈاکٹروں کو حاصل ہے، لہذا ڈاکٹر جس نے اپنی زندگی اس علم کی تحصیل کے پیچھے لگائی اور اس کو حاصل کیا اور اس کے لئے محنت و مجاہدہ کیا۔ اس

کے مقابلے میں ایک اناڑی کی بات یا اس علم سے ناواقف شخص کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہذا اس کے دعوے کو ہم یا تو کسی غلط فہمی یا جہالت و حماقت یا تعصب پر محمول کرتے ہیں اور اس سے اپنا علاج کرانے کی حماقت کبھی نہیں کرتے۔ اور دوسرے اس لئے کہ ہمارے نزدیک جان کی بڑی اہمیت ہے، لہذا ہم کسی اناڑی کے دعوے کو۔ جو ڈاکٹروں کے خلاف ہے۔ مان کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔

اور یہ فیصلہ آپ کا بالکل برحق اور سونی صدیج ہے، تو پھر قابل غور یہ ہے کہ دین کے بارے میں یہ اصول و سمجھ و بصیرت لوگوں سے کہاں غائب ہو گئی کہ وہ علماء کے مقابلہ میں جاہل کو ترجیح دیتے اور اس کی بات کو وقعت دیکر خود کے ایمان کو ہلاکت کے حوالے کر دیتے ہیں؟ جبکہ یہ معلوم ہے کہ ایک غیر عالم خواہ وہ اپنی کسی بھی فیلڈ کا ماہر کیوں نہ ہو، قرآن و حدیث کے علوم کا ماہر نہیں کہلا سکتا، اور جب تک ایک معتد بہ زمانہ اہل علم، ماہرین قرآن و حدیث کی صحبت و معیت میں رہ کر تحصیل نہیں کرتا، وہ عالم کا مقام نہیں حاصل کر سکتا۔

لہذا امت کو اپنے علماء حق و مشائخ ربانین پر اعتماد ہونا چاہئے اور ان کے مقابلے میں جاہلوں، اناڑیوں، ناواقفوں سے دین حاصل نہیں کرنا چاہئے کہ خود ہی جو جانتا نہیں، تو کسی کو کیا وہ رہبری کر سکتا ہے؟

علماء سوء کی رخنہ اندازیاں

ایک اور بڑا سبب جس کی وجہ سے لوگوں میں ایمان کی کمزوری، عقائد کا بگاڑ، اور اعمال کا فساد جنم لیتے ہیں، وہ ہے علماء سوء کی حق کے خلاف ریشہ دوانیاں اور رخنہ اندازیاں۔ چونکہ ان کو دین کے بجائے دنیا مقصود ہوتی ہے، اس لئے وہ دنیا کی خاطر

دین کو بچ دیتے اور حق کو چھپاتے اور تاویل کے پردے میں باطل کی ترویج کرتے رہتے ہیں؛ یہاں تک کہ لوگوں کو حق و باطل میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے اور لوگ حق کے بجائے باطل کو صحیح کی جگہ غلط کو اور سنت کے بدل بدعت کو اپنانے لگتے ہیں۔ اسی بات کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

”زمانہ ماضی میں جو بلا و آفت بھی اسلام کے سر پر ٹوٹی وہ انہیں علماء سوء کی شومی کی بدولت تھی۔ بادشاہوں کو یہی علماء سوء راہ راست سے بھٹکاتے ہیں۔ بہتر فرقے جو گمراہی کی راہ اختیار کر چکے ہیں، ان کے مقتداء یہی علماء سوء ہیں۔ علماء کے ماسوا گمراہوں کی گمراہی دوسروں تک کم ہی تھپاؤز کرتی ہے۔“

(مکتوبات دفتر اول حصہ دوم، ص ۱۸۰، مکتوب نمبر: ۴۷)

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

”آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا، وہ علماء کی ہی کج فہمی سے ظہور میں آیا تھا، اس بارے میں امید ہے کہ پورا پورا تتبع مد نظر رکھ کر علماء و دیندار کے انتخاب کرنے میں پیش دستی کریں گے۔ علماء بد دین کے چور ہیں، ان کا مقصود ہمد تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ و ریاست و بزرگی حاصل ہو جائے۔ العیاذ باللہ من فتنہم“ اللہ تعالیٰ ان کے فتنے سے بچائے۔“

(مکتوبات دفتر اول حصہ سوم، ص ۱۲۰، مکتوب نمبر: ۱۹۳)

ایک اور مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں کہ

”دنیا در دریائے بدعت غرق گشتہ است، وہ ظلمات بدعت آرام گرفتہ، کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند، و با حیائے سنت لب کشاید، اکثر علمائے ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند، و نحو کنندہائے سنت“۔

(ساری دنیا دریائے بدعت میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعات کی تاریکیوں میں سارے عالم کو آغوش میں لے لیا ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت میں زبان کھولے، اس وقت کے اکثر مولوی بدعتوں کو رواج دینے والے اور سنتوں کو مٹانے والے ہیں۔

(مکتوبات امام ربانی دوم، مکتوب نمبر: ۵۴)

امام ربانی کے دور میں جو گمراہی و ضلالت، سنتوں سے دوری اور بدعات کا شیوع ہو گیا تھا، اس کی وجہ کیا تھی؟ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے حضرت امام ربانی کے حوالے سے اس کی تین وجوہات لکھی ہیں: ایک تو ارباب حکومت و سیاست۔ دوسرے علماء سوء اور قیسرے جاہل و گمراہ صوفی۔ پھر لکھتے ہیں کہ:

”علماء سوء نے گمراہی کے دو بڑے دروازے کھول رکھے تھے: ایک باوجود نااہلیت اور ناخدا ترسی کے اوعاء اجتہاد اور نصوص کتاب و سنت میں تحریف معنوی کر کے نت نئے عقائد و خیالات کا اختراع اور خدا اور رسول اور قرآن وحدیث کے مقدس ناموں سے ان کی ترویج و اشاعت (ابوالفضل وغیرہ نے اکبر کو سب سے پہلے اسی راہ پر ڈالا تھا اور خود ان کی گمراہی کا پہلا زینہ بھی یہی تھا۔)

دوسرے بدعت حسنہ کے نام سے ”دین میں نئی نئی ایجادیں..... اکثر وہ بلائیں جو علماء سوء کی طرف سے دین پر نازل ہوتی تھیں، ان ہی دو دروازوں سے آتی تھیں؛ اس لئے حضرت مجدد نے ان دونوں تباہ کن اصولوں کے خلاف بھی بڑی قوت سے جنگ کی۔“
(تذکرہ امام ربانی: ۱۵۷)

اہل حق اور علماء سوء کے درمیان حد فاصل

ایک حدیث میں علماء سوء کی علامت بھی مذکور ہے، جس سے علماء حق و علماء سوء کے مابین حد فاصل بھی سمجھ میں آ جاتی ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ «الْعُلَمَاءُ أَمْنَاءُ الرُّسُلِ عَلَى عِبَادِ اللَّهِ مَا لَمْ يَخَالِطُوا السُّلْطَانِ وَ يَدْخُلُوا الدُّنْيَا ، فَإِذَا خَالِطُوا السُّلْطَانَ وَدَخَلُوا الدُّنْيَا فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ ، فَاحْذَرُوهُمْ ، وَ اعْتَزَلُوهُمْ (وفی رواية: وَاجْتَنِبُوهُمْ)۔»

(کنز العمال: ۲۸۹۵۲۔)

(علماء کرام اللہ کے بندوں پر رسولوں کے ائمن (اور حفاظت دین کے ذمہ دار) ہیں، بشرطیکہ وہ اقتدار سے گھل مل نہ جائیں اور (دینی تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے) دنیا میں نہ گھس پڑیں؛ لیکن جب وہ حکمرانوں سے شیر و شکر ہو گئے اور دنیا میں گھس گئے، تو انہوں نے رسولوں سے خیانت کی، پھر ان سے بچو اور ان سے الگ رہو۔)

اس حدیث میں علماء حق و علماء سوء کی ایک پہچان و علامت مذکور ہے، نیز علماء حق

کی ذمہ داری اور فضیلت کا بیان بھی ہے، فضیلت تو یہ کہ اس میں علماء کو ”امناء الرسل“ فرمایا گیا ہے، یعنی علماء اللہ کے بندوں پر اللہ کے رسولوں کے امین اور دین کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اُمناء امین کی جمع ہے اور امین وہ ہوتا ہے، جو دوسروں کی چیزوں کو امانت کے ساتھ رکھتا اور بحفاظت ان تک پہنچاتا ہو، لہذا علماء وہ فضیلت مآب لوگ ہیں، جو اللہ کے بندوں تک اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی شریعت و احکام کو بحفاظت پوری امانت داری و دیانت داری کے ساتھ پہنچاتے ہوں، پھر اسی جملہ سے علماء کے منصب اور ان کی ذمہ داری بھی معلوم ہوئی کہ وہ اللہ کے دین کی اور اس کے احکامات کی حفاظت اور پھر بندوں تک ان کے پہنچانے کے ذمہ دار ہیں، گویا حفاظت دین و اشاعت دین دونوں کی ذمہ داریاں ہیں۔

اور اس لفظ ”امناء“ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علماء کی خاص صفت امانت ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں رتی برابر خیانت کو روا نہیں رکھتے اور اپنی عقلوں اور نفسوں کی چاہت و مطالبہ پر دین میں حذف و اضافہ، ترمیم و تبدل اور تقدیم و تاخیر نہیں کرتے؛ بلکہ دین و شریعت کو ”جوں کا توں“ اللہ کے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

اور حدیث مذکور میں علماء حق و علماء سوء کی پہچان و علامات کا بیان اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء اس وقت تک اللہ کے رسولوں کے امین ہیں، جب تک کہ وہ اہل اقتدار و اہل حکومت سے گھل مل نہ جائیں اور دنیا کے پیچھے نہ پڑ جائیں اور اگر وہ اہل اقتدار اور سلطنت سے گھل مل جائیں اور دنیا میں ملوث ہو جائیں، تو پھر وہ رسولوں کے خائن ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اہل حق علماء اہل دنیا و دنیا سے دور و نفور رہتے ہیں، ان میں گھل مل

نہیں جاتے اور ان کے ساتھ شیر و شکر نہیں ہو جاتے اور دنیا میں انہماک و اشتغال نہیں رکھتے اور علماء سوء کی پہچان اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ دنیا و اہل دنیا کے پیچھے ذلیل و خوار ہوتے رہتے ہیں، ان سے محبت و الفت رکھتے ہیں اور ہر وقت ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور دنیا کی فکر و اہل دنیا کے شکر میں مشغول رہتے ہیں، اس علامت سے ان دو طبقات (علماء حق و علماء سوء) کو اچھی طرح پہچانا جاسکتا ہے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے علماء سوء کی علامت کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان سے بچ کر رہو۔

الغرض علماء سوء کا فتنہ امت کے حق میں ایک نہایت ہی خطرناک اور بڑا فتنہ ہوتا

ہے۔

جاہل و گمراہ صوفیوں کا فتنہ

امت کے اس بگاڑ کا ایک سبب جاہل و گمراہ قسم کے صوفیوں کا امت کے اندر اثر و رسوخ ہے؛ حتیٰ کہ اس گروہ نے عوام الناس و امراء و سیاست دانوں میں اپنا ایک مقام بنا لیا ہے اور اس اثر و رسوخ کے ذریعہ عوام الناس کو دین سے ہٹاتے اور گمراہ کن عقائد و اعمال کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان میں بعض وہ بھی ہیں جو ”ہمدوست“ (یعنی ہر چیز خدا ہے) کے قائل ہیں اور بعض اتحاد خالق و مخلوق اور حلول تک کے قائل ہیں اور ان میں سے بعض کے نزدیک شریعت و طریقت و والگ الگ راستے ہیں اور شریعت ان کے نزدیک دین کا چھلکا ہے؛ اس لئے یہ اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اور یہ خود بھی شرعی پابندیوں سے دور؛ بلکہ نفور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے دور و نفور رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اصل و روح طریقت ہے۔ پھر ان کے خیال کے مطابق طریقت میں شریعت کا کوئی دخل نہیں؛

بلکہ وہ شریعت سے بالکل الگ چیز ہے۔ اس طرح طریقت و حقیقت کی اصطلاح سے عوام الناس کو گمراہی کے دلدل میں پھنساتے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں، جن کے یہاں نماز ہی معاف ہے یا یہ کہ ایک زمانے کے بعد معاف ہو جاتی ہے اور ایسے بھی لوگ ان میں ہیں، جو یہ کہتے ہوئے کوئی پاک نہیں محسوس کرتے کہ پیر صاحب ہی مریدین کی نماز پڑھ لیتے اور روزہ رکھ لیتے ہیں، لہذا مریدین کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، بس وہ پیروں کو روپیہ پیسہ دیدیا کریں، تو سب کچھ پیر صاحب ہی کر لیتے ہیں۔ اور یہی نہیں؛ بلکہ یہ بھی معتبر ذرائع بتاتے ہیں کہ بعض ان میں سے اپنے مریدوں سے خود کا طواف کراتے اور یہ کہتے ہیں کہ پیر کا طواف نعوذ باللہ کعبہ شریف کے طواف سے افضل ہے۔ اسی طرح بعض پیروں کے یہاں خیالی حج و عمرے بھی کرائے جاتے ہیں اور خیالی حج و عمرے کو اصلی و حقیقی حج و عمرہ کے برابر باور کرایا جاتا ہے اور جاہل عوام ان پیروں کو ہزار دو ہزار روپے دیکر خیالی حج و عمرہ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ مکہ جا کر کون حج کرے، یہ سستے میں کام بن گیا۔ اس طرح جاہل و گمراہ صوفی امت کو دین و شریعت سے برگشتہ کرنے کی مہم پر اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔

ہائے افسوس! ان کا کوئی نوٹس لینے والا نہیں ہے اور ان ساری گمراہیوں کو امت میں در آنے کے مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں۔

دین میں غلو کا فتنہ

امت میں بگاڑ کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ”غلو فی الدین“ ہے، جس کی وجہ سے شرعی حدود و پامال اور مختلف قسم کے غیر شرعی امور جنم لیتے ہیں، اور زیادہ تر

بدعات کی پیداوار بھی اسی سے ہوتی ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ ”غلو فی الدین“ کی بیماری زیادہ تر ان لوگوں میں ہوتی ہے، جو دیندار کہلاتے یا دین سے وابستہ ہونے کے مدعی ہوتے ہیں اور ان میں افراد بھی شامل ہیں اور جماعتیں بھی داخل ہیں۔ اس لئے اس راہ سے آنے والا بگاڑ گہرائی و گیرائی دونوں طریقوں سے امت میں پھیل جاتا ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام میں غلو کی سخت ممانعت ہے اور قرآن کریم و حدیث رسول میں اس کے دلائل موجود ہیں۔ یہاں صرف ایک ایک دلیل ذکر کی جاتی ہے:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ [مائدہ: ۷۷]

(اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ ان لوگوں کی پیروی کرو، جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔)

اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یا ان کے بھائی فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا كُنْمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوَّ فِي الدِّينِ»

(اے لوگو! تم دین میں غلو کرنے سے بچو؛ کیونکہ تم سے پہلے لوگوں

کو دین میں غلو ہی نے ہلاک کیا تھا۔)

(ابن ماجہ: ۳۰۲۹، احمد: ۳۲۲۸، معجم کبیر: ۱۵۱۴۰، السنۃ لابن ابی

عاصم: ۹۸۔)

مذکورہ آیت کریمہ اور حدیث نبوی سے یہ معلوم ہوا کہ دین میں غلو کرنا ناجائز ہے اور اس کی سخت ممانعت ہے۔

غلو کے معنی ہیں: حد مقررہ سے آگے بڑھ جانا اور تجاوز کرنا، یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس میں ہر چیز کی حد مقرر ہے، خواہ وہ عقیدہ ہو یا عبادت ہو یا حقوق و آداب ہوں یا معاشرت و تہذیب ہو یا اخلاق و کردار ہو، تمام ابواب میں اللہ و رسول کی بیان کردہ حدیں مقرر ہیں، جن سے تجاوز کرنا ناجائز ہے۔

چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ [البقرہ: ۲۲۹]

(یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، لہذا ان کو نہ پھلانگنا، اور جو بھی اللہ کی حدوں کو پھلانگتا ہے، تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں)

الغرض دین اسلام میں ہر چیز ایک مقررہ حد و معیار کے ساتھ ہے اور یہی درحقیقت اس کی خوبی و کمال ہے، یہاں کوئی بات بے دھنگی اور غیر مرتب نہیں، ہر چیز اپنے ایک حد و اصول کے ساتھ میں ہے: لہذا ان حدود و قیود کو باقی رکھنا لازم و ضروری ہے، ان کو پامال کرنا اور ان سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ اور اسی تجاوز کا نام ”غلو فی الدین“ ہے۔

پھر یہ غلو مختلف صورتوں و شکلوں سے پیدا ہوتا ہے:

(۱) ان میں سے افراط ہے، یعنی یہ کہ دین کی مقررہ حدود سے آگے بڑھا جائے، جیسے مثال کے طور پر اسلام نے حضرات انبیاء و رسل کی تعظیم و توقیر کی حدیں مقرر کی ہیں اور ان کو ایک جانب اللہ کا بندہ قرار دیا اور دوسری جانب ان کو ایک عظیم منصب کا حامل بھی بتایا؛ لہذا اگر کوئی ان حدود سے تجاوز کرتا ہے اور ان حضرات کو اس منصب و مقام سے بڑھا کر خدائی صفات و مقام کا حامل بناتا ہے، تو یہ افراط ہے، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیکر یہی حرکت کی تھی، اسی طرح اگر کوئی حضرات اولیاء اللہ کو ان کے مقام سے بڑھاتا اور ان کو بھی حاجت روا یا مشکل کشا اور عالم الغیب مانتا اور قرار دیتا ہے، تو وہ یہی افراط ہے، جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اس افراط سے کس قدر بڑی گمراہی پیدا ہوئی اور ہوتی ہے کہ مخلوق کو خدا جیسا سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے، جو اللہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔

چنانچہ آج مزارات اولیاء اللہ پر جا کر دیکھو کہ اسی غلو و افراط نے لوگوں کو اولیاء اللہ کی محبت و عقیدت کے نام پر کس قدر گمراہی میں مبتلا کر رکھا ہے؟ وہاں سجدے و طواف بھی ہو رہے ہیں، نذر و نیاز بھی جاری ہے، اولیاء اللہ کے لئے مشکل کشائی و حاجت روائی کے مناصب بھی مانے جا رہے ہیں، علم غیب و قدرت کی صفات بھی تسلیم کی جا رہی ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ اسی غلو فی الدین کا نتیجہ ہے جس نے پچھلی امتوں کو ہلاکت و تباہی کے غار میں ڈھکیلا تھا۔

(۲) دوسری شکل غلو کی تفریط ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ و رسول نے جو حدود مقرر کی ہیں، ان میں کمی کی جائے اور چیزوں و شخصوں کے مقررہ درجے سے

ان کو گھٹا دیا جائے، یہ بھی غلو کی ایک شکل ہے، جو کہ حرام ہے۔ جیسے اسلام نے حضرات انبیاء و اولیاء کا ایک مقام بتایا ہے، حضرات انبیاء کو مقام نبوت دیا تو، اولیاء کو مقام ولایت عطا فرمایا ہے؛ لہذا اس مقام سے ان کو گھٹانا، ان کی تعظیم و توقیر نہ کرنا، یا ان سے عداوت رکھنا، ان کی مخالفت کرنا، یہ سب تفریط ممنوع میں داخل ہے۔

جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہ مان کر ان کو نعوذ باللہ جھوٹا و مکار قرار دیا اور اسی طرح ان کو حرامی کہہ کر ان کی توہین کی اور اسی طرح بہت سے انبیاء کو قتل کیا، ان کو جھوٹا ٹھہرایا، ان کی ہجو کی، یہ ان کے مقام میں تفریط و کمی کرنا ہے، جو کہ حرام ہے۔

اسی طرح کوئی شخص اللہ کے سچے ولیوں و سچے عالموں کی توہین و تذلیل کرتا ہے یا ان کو تکلیف پہنچاتا ہے، ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے، تو یہ بھی وہی تفریط حرام ہے۔

(۳) تیسری صورت غلو فی الدین کی یہ ہے کہ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کی جائیں، اور یہ بھی کئی طرح سے ہوتا ہے:

● ایک یہ کہ کوئی نئی عبادت پیدا کر لی جائے، جیسے بعض لوگوں نے رجب یا شعبان کی ایک نماز ایجاد کر رکھی ہے۔ یا ربیع الاول میں میلاد و ربیع الثانی میں گیارہویں، رجب میں کوندے کی رسم وغیرہ مقرر کر رکھا ہے، اسی طرح اذان و نماز کے پہلے و بعد بعض خاص خاص قسم کی نئی نئی باتیں لوگوں نے گھڑ رکھی ہیں۔

● دوسری یہ کہ دین و شریعت کی باتوں میں اپنی جانب سے حدود و قیود لگا دئے جائیں۔

جیسے ایصال ثواب تو دین میں ثابت ہے، مگر اس کے لئے بعض لوگوں نے

وقت کی قید و تخصیص کی ہے، جیسے سوم، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی وغیرہ کی رسمیں، یہ دراصل اپنی جانب سے وقت کی تخصیص ہے۔

یا جیسے خاص طریقے کی قید و تخصیص، جیسے، ایصالِ ثواب میں ”الفاتحہ“ اور اس کے ساتھ سامنے مٹھائی رکھنے اور اس کو لوگوں میں تقسیم کرنے کی قیدیں لگائی گئی ہیں یا خاص قسم کے چیزوں کی قید لگاتے ہیں، جیسے صدقے کے لئے کالا بکرا یا کالی مرغی وغیرہ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایصالِ ثواب اسی صورت و شکل سے ہوگا؛ حالانکہ شریعت نے یہ قیدیں نہیں بیان کی ہیں، لہذا یہ بھی غلو فی الدین ہے۔

اور جیسے بعض لوگوں نے بعض بعض مہینوں میں بعض کاموں کو خاص کر رکھا ہے، جیسے جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیع الاول میں، مظاہرہ قرأت کی مجالس و دعاء کی مجالس کو رمضان المبارک کی طاق راتوں میں، یا خاص قسم کے بیانات کا سلسلہ مخصوص راتوں میں، وغیرہ امور بھی اسی لئے قابلِ نکیر ہیں کہ ان میں اپنی جانب سے تخصیصات و قید بندیاں کی گئی ہیں، جو کہ غلو کی ایک صورت ہے۔

الغرض کسی بھی دینی کام میں اپنی جانب سے قیدیں لگانا اور تخصیصات کرنا اور ان کو دین سمجھ لینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ غلو فی الدین کی ممنوع صورت ہے۔

✽ تیسری یہ کہ دین میں جو چیز جس کیفیت کے ساتھ ہے، اسے اس سے ہٹا دیا جائے، جیسے کوئی بات فرض ہے، کوئی سنت، کوئی مستحب و جائز ہے، اسی طرح بعض امور اجتماعی کئے جاتے ہیں اور بعض انفرادی کئے جاتے ہیں۔ اگر ان امور کو ان کی اس کیفیت سے ہٹا کر فرض کو واجب یا واجب کو فرض، یا سنت کو واجب یا واجب کو سنت سمجھا جائے یا انفرادی طور پر کئے جانے والے کام کو اجتماعی طریقے سے کیا جائے یا اجتماعی کام کو انفرادی طور پر کیا جائے، تو یہ بھی غلو فی الدین کی ایک

صورت ہے۔

جیسے بعض لوگ اجتماعی طریقے پر مساجد میں سلام پڑھنے اور اس کے لئے کھڑے ہونے اور خاص قسم کے اشعار پڑھنے کو لازم سمجھتے اور قرار دیتے ہیں اور غیر لازم کو لازم سمجھتے ہیں اور دوسروں پر اس کا اصرار کرتے ہیں۔

اسی طرح بعض جائز یا مستحب کاموں پر اس قدر اصرار کرتے ہیں، جیسے کوئی واجب و لازم چیز ہو، جیسے دعاء بعد الصلاۃ پر امام پر اصرار کیا جاتا ہے۔ اور اگر امام دعاء زور سے نہ کرے یا اپنی دعا انفرادی طور پر کر لے تو، جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے ایک مستحب یا جائز کام کو فرض و واجب کے درجے میں سمجھ لیا ہے یا یہ کہ انفرادی کام کو اجتماعی طور پر کرنے کو لازم قرار دیتے ہیں۔ یہ وہی غلو فی الدین ہے اور فقہاء اس کو ”التزام مالا یلزم“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۴) چوتھی شکل غلو کی یہ ہے کہ منصوص و غیر منصوص میں فرق نہ کیا جائے اور دونوں کو برابر کر دیا جائے۔

منصوص وہ چیزیں ہیں، جنہیں اللہ و رسول نے دین و شریعت میں صاف و واضح طریقے سے بیان کر دی ہیں، اور غیر منصوص ان باتوں کو کہتے ہیں، جو دین و شریعت میں اس طرح بیان نہ کی گئی ہوں؛ بلکہ کسی عالم نے یا کسی شیخ نے یا کسی اور نے کسی مصلحت و ضرورت کی وجہ سے ان کو جاری کیا ہو۔ یہ امور اگرچہ کہ جائز ہوں؛ مگر ان کا درجہ ظاہر ہے کہ منصوص کے برابر نہیں ہو سکتا۔

مگر غلو کرنے والوں نے ہمیشہ یہ کیا ہے کہ دونوں کو ایک جیسا قرار دیدیا اور جو معاملہ منصوص کے ساتھ کیا جانا چاہئے، وہی غیر منصوص کے ساتھ بھی وہ کرتے ہیں۔ یہ بھی غلو اور حد سے تجاوز ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شریعت میں نماز اور نماز کا طریقہ، اس کے فرائض، واجبات، سنن و مستحبات، سب مقرر و منصوص ہیں؛ مگر ذکر کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں؛ لہذا اگر کسی نے کوئی خاص طریقہ کسی حکمت و مصلحت سے ایجاد کیا، مثلاً یکسوئی پیدا کرنے یا دھیان جماعے کے لئے ضروری لگانے کا طریقہ جیسا کہ حضرات صوفیاء میں ہے تو یہ ضرورت و حکمت کے پیش نظر جائز تو ہے؛ مگر اس کو منصوص کی طرح سمجھا جائے اور اس کو اختیار نہ کرنے والوں پر اس طرح تکلیف کی جائے، جیسے کسی منصوص سنت کے ترک پر کی جاتی ہے، تو یہ بھی حرام و ناجائز ہے؛ کیونکہ ایسا کرنے والے نے منصوص و غیر منصوص دونوں کو ایک ہی درجہ دیدیا۔

اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی بھی کام جو منصوص نہ ہو، وہ اس کام کے برابر نہیں ہو سکتا، جو منصوص ہے۔ دونوں کو ایک قرار دینا یا سمجھنا تہماز و غلو کی صورت ہے۔

اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ دین کے کسی بھی کام کے سلسلے میں، جو طریقے منصوص اور شریعت میں مقرر نہیں ہیں، ان میں اگر ہم اپنی سہولت و ضرورت اور اپنی حیثیت کے پیش نظر دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے کوئی طریقہ جاری کریں، تو یہ بلاشبہ ایک وسیلہ و ذریعے کی حد تک جائز ضرور ہے؛ لیکن ہمیں یہ اختیار نہیں کہ ہم اس کے ساتھ منصوص چیز کا سا معاملہ کریں اور سب کو اسی طریقے پر چلنے پر اصرار کریں اور جو کوئی اپنی ضرورت و مصلحت کی وجہ سے اسی دینی کام کے لئے کسی اور طریقے کو اختیار کرے، تو اس کو مطعون کریں؛ کیونکہ اللہ و رسول نے اسی طریقہ کو لازم نہیں قرار دیا ہے؛ لہذا ہمارا جاری کردہ طریقہ منصوص کی طرح لازم نہیں ہو جائے گا۔

(۵) پانچویں صورت غلو فی الدین کی یہ ہے کہ دین میں تعلق و تشدد کا مظاہرہ کیا جائے، جیسے شریعت نے جن امور کی اجازت دی اور ان کو مباح و حلال قرار دیا، ان

میں تشدد کیا جائے اور ان سے حرام کی طرح بچنے کی کوشش کی جائے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

«لَا تُشَدُّوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ ، فَيُشَدَّدَ عَلَیْكُمْ ، فَإِنْ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ، فَيُتْلِكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالذِّبَارِ .»

(اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہ تم پر سختی نہ کر دی جائے، کیونکہ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ نے اس پر بھی سختی کر دی، پس یہ انہی کے بقایا ہیں، جو ان گرجاؤں اور کنیوں میں ہیں۔)

(ابوداؤد: ۴۹۰۶۔ مسند ابویعلیٰ: ۳۶۹۴۔)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں

فرمایا کہ

”دین میں تحریف کا ایک سبب یہ تشدد بھی ہے، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عبادات شاقہ کو اختیار کیا جائے، جس کا شارع نے حکم نہیں دیا، جیسے ہمیشہ روزہ رکھنا یا ہمیشہ رات بھر نماز میں کھڑے رہنا یا نکاح نہ کرنا اور آداب و سنن کا واجبات کی طرح التزام کرنا، حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما کو اس سے منع کیا اور فرمایا کہ دین پر غالب آتا ہے، اس پر دین غالب ہو جاتا ہے“، اور اگر یہ تشدد و تعقی کرنے والا کوئی استاذ و سر دار ہوتا ہے، تو لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ شرع کا حکم ہی یہ ہے۔ اور یہ تشدد یہود و عیسائیوں کے رہبان کی بیماری ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ: ۲۵۴/۱)

جاہل و غالی صوفیوں میں اس قسم کی باتیں رائج ہیں اور لوگ ان کو دیکھ کر اسی کو دین سمجھتے اور اس کے خلاف کو دین سے خارج قرار دیتے ہیں۔
الغرض اس وقت امت کے اندر بگاڑ کا ایک سبب غلو فی الدین کی یہ صورتیں و شکلیں ہے۔

نوٹ: غلو کے بارے میں پوری تفصیلی بحث ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب ”غلو فی الدین“ میں لکھی ہے۔

اسکول و کالج ایمان کے لئے قتل گاہیں

اس صورت حال کے پیدا کرنے میں جہاں اور بہت سے عوامل و اسباب کام کر رہے ہیں، وہیں ایک بڑا عامل و سبب موجودہ عصری تعلیم گاہیں بھی ہیں، جہاں کا نصاب و نظام اسی قسم کے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اس نظام کے تحت پرورش پانے والے لوگ عام طور پر بے دینی اور الحاد و دہریت یا کم از کم دین و مذہب کے بارے میں تشکک و تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں اور اسلام اور اس کی تعلیمات پر حملے کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبات میں فرمایا ہے کہ

”جدید تعلیم میں مذہبی اثر نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ سینکڑوں تعلیم یافتہ مذہبی مسائل کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں، اخباروں میں آرٹیکل نکلتے ہیں کہ اسلام کا قانون وراثت، خاندان کو تباہ کر دینے والا ہے؛ اس لئے اس میں ترمیم ہونی چاہئے۔ ایک صاحب نے مضمون لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے، پیغمبر تھے، مدینہ جا کر بادشاہ ہو

سمئے اور اس لئے قرآن مجید میں جو مدنی سورتیں ہیں وہ خدائی احکام نہیں؛ بلکہ شاہانہ قوانین ہیں۔ ایک موقع پر مجھ سے لوگوں نے لکچر دینے کی درخواست کی، میں نے پوچھا کس مضمون پر لکچر دوں؟ ایک گریجویٹ مسلمان نے فرمایا کہ اور چاہے جس مضمون پر تقریر کیجئے؛ لیکن مذہب پر نہ کیجئے، ہم لوگوں کو مذہب کے نام سے گھن آتی ہے، (نقل کفر کفر نہ باشد)۔ یہ صرف دو چار شخص کے خیالات نہیں، مذہبی بے پروائی کی عام وبا چل رہی ہے، فرق یہ ہے کہ اکثر لوگ دل کے خیالات دل ہی میں رکھتے ہیں اور بعض دلیہ طبع لوگ ان کو ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔“

(خطبات شبلی: ۵۸-۵۹)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جو انہی کالجوں کے پروردہ اور یورپی دنیا اور وہاں کے لوگوں کی عیاریوں و مکاریوں سے خوب واقف تھے، انہوں نے انہی حالات کے مطالعہ و مشاہدہ کے بعد کہا تھا کہ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم

کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے شارح اقبالیات پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے

لکھا ہے کہ

”تعلیم حاصل کر کے نو جوانوں کو سرکاری ملازمت تو پیشک مل

جاتی ہے؛ لیکن اس مغربی تعلیم کی وجہ سے ان کے اندر الحاد کا رنگ بھی تو

پیدا ہو جاتا ہے، مسلمان کے گھر میں دولت آرہی ہے؛ لیکن کفر کی لعنت بھی اسکے ساتھ ساتھ داخل ہو رہی ہے، تو ایسی دولت کس کام کی؟ واضح ہو کہ مغربی تعلیم کے مضر ہونے پر اقبال نے فیصلہ ۱۹۱۳ء میں صادر کیا تھا اور قوم اس وقت سے لیکر تا ایندم اسی سم ستاقل کو نوش جان نا تو اس فرما رہی ہے، تو ناظرین خود اندازہ کر لیں کہ مریض اب کس منزل میں ہوگا؟۔

(بانگ درا مع شرح، ص: ۵۵۸ تا ۵۵۷۔)

غرض یہ کہ مغربی تعلیم کی ساخت و پرداخت ہی کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس سے کفر و شرک اور بغاوت و طغیانی اور الحاد و دہریت کے جذبات و خیالات جنم لیتے اور پرورش پاتے ہیں؛ کیونکہ ان تعلیم گاہوں میں علوم و فنون کی تعلیم کا جو منہج ہے، وہ مغربی ثقافت و تہذیب کے مزاج و خصوصیات سے تشکیل پایا ہوا ہے اور ان فکری و فلسفیانہ رجحانات کا آئینہ دار ہے جن سے مغربی ثقافت و تہذیب پروان چڑھی ہے۔ عقائد و نظریات کے علاوہ اس مغربی تہذیب و ثقافت کے اثر سے مسلم سماج کو بے حجابی، عریانیت، فحاشی و ننگے پن کا ایک سیلاب بلا خیز بھی اپنی رو میں بہا لے جا رہا ہے اور فیشن کے نام پر انسانیت سوز مراسم و انداز اختیار کئے جا رہے ہیں۔

بہت سارے لوگ اس حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی سامراج نے جو مغربی نظام تعلیم رائج کیا، اس کا مقصد انگریزی تعلیم سے زیادہ انگریزیت کی تعلیم تھی، وہ اس نظام کے ذریعہ ہندوستانی لوگوں میں انگریزی ذہنیت کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتا تھا اور اس کی تصدیق ”لارڈ میکالے کی رپورٹ سے ہوتی ہے، جو اس نے ۱۸۵۳ء میں مقبوضہ ہندوستان کے گورنر

جنرل کو پیش کی تھی، چنانچہ وہ کہتا ہے کہ

”ہمیں اس وقت بس ایک طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے، جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکے، جن پر ہم اس وقت (ہندوستان میں) حکمران ہیں، ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے انگریز ہو۔“

(میکالے کا نظریہ تعلیم، ص/۶۹، بحوالہ ہمارا نظام تعلیم، ص/۵۰)

الغرض جدت پسندی کے اس طوفان نے اس طبقے کے ایمان کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور وہ بے ایمانی و ارتداد کی طوفانی لہروں میں غوطے کھاتا دکھائی دے رہا ہے۔

ڈش، ٹی وی، انٹرنیٹ، موبائل

بے دینی یا دین سے دوری کی موجودہ فضاء کے پروان چڑھانے میں ایک بڑا زبردست عامل و باعث فحش و بے حیائی کے وہ عوامل و اسباب ہیں، جو آج ہر گھر کی زینت بنے ہوئے ہیں، جیسے اخبارات، میگزین، ریڈیو، ٹی وی، ڈش، موبائل فون اور انٹرنیٹ وغیرہ، جن سے انتہائی منظم طریقے پر انسانی و روحانی اقدار و اخلاقی رجحانات کو پامال کرنے اور ان کی جگہ دینی بے حسی، اخلاقی گراؤٹ، فکری بے راہ روی، جنسی آوارگی، نفس پرستی و عیش کوشی، مادیت پسندی و دنیا طلبی کو اجاگر کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

نتیجہ واضح ہے کہ امت کے نوجوان لڑکوں و لڑکیوں میں آزادیِ افکار و عملی بگاڑ، اخلاقی گراؤٹ، فحش و بے حیائی، دین و اہل دین سے بے زاری، علم دین کی بے وقعتی

وختہارت، جیسے انتہائی خطرناک رجحانات اور مضد جراثیم منتقل ہو رہے ہیں، بالخصوص انٹرنیٹ کی دنیا سے وابستہ لوگوں کا حال اس سلسلے میں سب سے زیادہ ناقابل بیان ہے۔ ایک دور ایسا تھا کہ کوئی فحش و بے حیائی کی باتوں کو دیکھنا چاہتا یا کسی غیر غلط تعلق کو قائم کرنا چاہتا یا کسی بے ہودہ عناصر سے وابستہ ہونا چاہتا تو، اس کو دوسروں کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے اس کی برائی دو چار لوگوں کے سامنے آ جاتی تھی، اور پھر اس کی اصلاح کی بھی تدبیریں سوچی جاسکتی تھیں، اور اصلاح کی امیدیں بھی رکھی جاسکتی تھیں؛ مگر اب حال یہ ہے کہ موبائل میں چپ لگا کر یا انٹرنیٹ سے کیا کیا دیکھ رہا ہے؟ کیا سن رہا ہے اور کس سے کیا تعلقات وابستہ کر رہا ہے؟ اس کا کسی کو پتہ تک نہیں چلتا، نہ ماں باپ کو، نہ کسی استاذ یا سرپرست کو، تو اصلاح کی کیا تدبیر کی جائے گی؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ برائیاں و خباثت اندر اندر جڑ پکڑتے جاتے ہیں اور جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے، تو کوئی اصلاح کی امید بھی نہیں رہتی۔

اس طرح کتنے لڑکے و لڑکیاں برباد ہو چکے ہیں، کتنوں نے اپنی زندگیاں خراب کر لی ہیں، اس کا حساب و اندازہ مشکل ہے۔

حدیث میں گانے بجانے والوں کے لئے سخت وعید موجود ہے:

« عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: يُنْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قِرْدَةً وَخَنَازِيرًا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَيَشْهَدُونَ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، قَال: نَعَمْ وَيَصَلُّونَ وَيَصُومُونَ وَيَحُجُّونَ، قَالُوا: فَمَا بَالُهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ اتَّخَذُوا الْمَعَازِفَ وَالْقِيَابَاتِ وَالذُّفُوفَ وَيَشْرَبُونَ هَذِهِ الْأَشْرَبَةَ، فَبَاتُوا عَلَى لَهْوِهِمْ فَأَصْبَحُوا قِرْدَةً وَخَنَازِيرًا. »

(رواہ سعید بن منصور، فتح الباری: ۱۰/۹۴)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں وہ (برائے نام) نماز، روزہ، اور حج بھی کریں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ آلات موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ اور سازگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے (بالآخر) وہ رات بھر مصروف لہو و لعب رہیں گے اور صبح ہوگی، تو بندر اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

اس حدیث میں ان مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بظاہر نمازی بھی ہوں گے، روزہ کے پابند بھی ہوں گے اور حج پر حج بھی کریں گے، مگر اسی کے ساتھ گانے بجانے ناچتے نچانے اور ذحول باجے اور میوزک و موسیقی کے دلدادہ اور شراب کے عادی اور رسیا ہوں گے، ان کو اللہ تعالیٰ خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کر دیں گے، یہ لوگ رات بھر مصروف لہو و لعب رہ کر سوئیں گے اور صبح انھیں گے، تو مسخ شدہ انھیں گے۔

اسلام میں گانا بجانا رقص و ناچ حرام ہے اور شراب کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے۔ جب لوگ اس کے عادی ہو جائیں گے اور بظاہر نماز و روزہ کے پابند اور حج پر حج کر کے نیک نامی حاصل ہونے کے باوجود، وہ ان برائیوں میں مبتلا ہوں گے

تو اللہ تعالیٰ ان کو خنزیر اور بندر کی شکل میں تبدیل کر دیں گے۔ افسوس کہ آج بہت سے دیندار کہلانے والے اور نمازوں اور روزوں کے پابند اور حج پر حج کرنے والے اور عمرے پر عمرے کرنے والے لوگ بھی اپنے گھروں میں ٹی وی رکھ کر اس کا استعمال گانے بجانے اور فلموں اور ناچ و رقص دیکھنے کے لئے کرتے ہیں اور تقریبوں میں بلا روک ٹوک یہ ساری برائیاں عام ہو چکی ہیں۔

یہ چند عناصر و اسباب ہیں، جو اس زمانے میں امت کے اندر لادینی و الحاد کی قضا قائم کر رہے ہیں۔

تیسرا باب

اصلاحی اقدام کی ضرورت اور علماء کی ذمہ داریاں

روشن خیالی کے مدعی طبقہ کو ایک طرف رکھیں اور عام اہل اسلام کی صورت حال کو ایک جانب رکھیں اور ان ابواب میں ان کا جائزہ لیں، تو افسوس ناک حد تک مایوسی نظر آئے گی اور اس صورت حال کا جو بھی بنخیدگی سے جائزہ لے گا، اس کو امت کی اس حالت پر ضرور افسوس و غم ہوگا اور وہ ضرور یہ کہہ اٹھے گا کہ ہائے افسوس! بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی؟ اور ہم کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا؟ ہائے ہم اپنی دنیا میں مست رہے اور ہیں اور اس طرح ہیں کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

اور ہم پر وہی بات صادق آتی ہے، جو کسی شاعر نے کہی ہے

یوں مطمئن ہیں نبض شناسان زندگی

جیسے جنین وقت پہ کوئی شکن نہیں

مسند چمن پہ ہیں افسوس وہ جلوہ گر

جن کی نگاہ واقفِ رازِ چمن نہیں

بہر حال قابل غور بات یہ ہے کہ اس صورت حال کا تقاضا کیا ہے؟ کیا یہ ہے کہ خاموش تماشا شائی بنے رہیں؟ جو ہو رہا ہے، اس کو ہونے دیا جائے؟ اس بد عقیدگی و ایمانی کمزوری کا کوئی نوٹس نہ لیا جائے؟ بد عملی و بے حیائی کی اس فضا کو دور کرنے کی کوئی سعی نہ کی جائے؟ یا یہ کہ امت کی اس صورت حال کو بد لنے کی کوشش کی جائے، اصلاحی اقدامات کئے جائیں، لوگوں کو ایمان کی حقیقت، اس کی قوت و طاقت سے آگاہ کیا جائے، ان کے قلوب میں ایمان کی روح پھونکی جائے، توحید خالص کا سبق پڑھایا جائے، وہم پرستی و جاہلانہ رسومات و جدت پسند رجحانات سے ان کو دور کرنے میں چلائی جائیں اور اس صورت حال کو بد لنے اور امت کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی کوشش کی جائے اور دین و شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری کا فریضہ انجام دیا جائے؟ الغرض اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ امت کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے اوپر شریعت کو نافذ کرے اور ہر اعتبار سے نافذ کرے، ایمان و عقیدہ ہو مضبوط ہو اور ایسا ہو، جو قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت ہو، عبادات و اعمال شریعہ کے ساتھ ہمارا لگاؤ اور تعلق ایسا ہو، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا تھا، ہمارے معاملات، پاکیزہ اور صاف ہوں، ہماری معاشرت اسلامی اصول و آداب کی پابند ہو اور ہمارے اخلاق بلند و معیاری ہوں اور ہماری سیاست نمونہ اسلاف ہو اور اسلامی قوانین و فرامین کے تابع ہو۔

غرض یہ کہ آج امت میں کلی طور پر تبدیلی لانے اور پوری طرح سدھار لانے کی ضرورت ہے، جس کا واحد طریقہ خود پر اور دوسروں پر شریعت الہیہ کو نافذ کرنا ہے۔

اور اس سلسلہ میں اصل ذمہ داری حضراتِ علماء کرام کی ہے کہ وہی امت کی

اصلاح و ہدایت میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نائب ہیں اور اس نیابت نبوی کی وجہ سے ان کو یہ کام انجام دینا ہے۔

فَاللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿ اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ
الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَّ الرُّسُلُوْنَ وَّ الْاَخْبَارُ بِمَا
اَسْتَخْفُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءُ ﴾

[البقرہ: ۱۷۷]

(بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی، جس میں ہدایت و نور ہے، اس کے موافق انبیاء علیہم السلام جو مطیع و فرمانبردار تھے، یہود کو حکم دیتے ہیں اور ان کے علماء و مشائخ بھی (اسی کا حکم دیتے تھے): کیونکہ ان کو اللہ کی کتاب کی حفاظت کا ذمہ دیا گیا تھا اور وہ اس پر نگران تھے)

امام رازی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

” وقد أخذ الله على العلماء حفظ كتابه على الوجهين:

أحدهما : أن يحفظوه في صدورهم ، و يدرّسوه بالسننهم

و الثاني أن يضيّعوا أحكامه ، و لا يهملوا شرائعه “

(اور اللہ تعالیٰ نے علماء پر دونوں طریقوں سے اس کی کتاب کی

حفاظت کی ذمہ داری ڈالی ہے: ایک تو یہ کہ وہ اس کو اپنے سینوں میں

محفوظ کریں اور زبانوں سے اس کا درس دیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے

احکام کو ضائع ہونے نہ دیں اور ان کی شریعت کو بے کار نہ چھوڑیں۔)

(التفسیر الکبیر للرازی: سورۃ مائدہ، آیت: ۴۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”یعنی یہ انبیاء اور ان کے دونوں قسم کے ناصین علماء و مشائخ تورات کے احکام جاری کرنے کے پابند اس لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات کی حفاظت ان کے ذمہ لگا دی تھی اور انھوں نے اس کی حفاظت کا عہد و پیمان کیا تھا۔“

(معارف القرآن: ۱۶۰/۳)

اس میں وارثین انبیاء علماء و مشائخ کی ایک اہم ذمہ داری کا بیان ہے اور وہ ہے کتاب اللہ کی حفاظت اور اسی میں دین و شریعت کی حفاظت کا بیان آگیا۔
فَاللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿وَقَرَّبَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْآثِمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَخْلِهٖمُ السُّخْتِ لِبَيْسٍ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ لَوْلَا يُنْهٰهُمْ الرَّبُّیُّونَ وَالْأَخْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْآثِمِ وَأَخْلِهٖمُ السُّخْتِ لِبَيْسٍ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾

[الأنعام: ۶۲-۶۳]

(اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے میں آگے بڑھتے ہیں، پس برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں کیوں نہیں ان کے علماء و مشائخ ان کو گناہ اور حرام کھانے سے منع کرتے؟ برا ہے جو یہ کرتے ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

”مَا هِيَ الْقُرْآنَ أَشَدُّ تَوْبِيْحًا مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ“ (پورے

قرآن میں اس آیت سے زیادہ سخت تنبیہ کسی اور جگہ نہیں ہے۔)

اور امام تفسیر حضرت ضحاک نے فرمایا کہ
 ”مَا فِي الْقُرْآنِ أَخَوْفَ عِنْدِي مِنْهَا“ (میرے نزدیک یہ
 آیت سب سے زیادہ خوفناک ہے)۔

(تفسیر خازن: ۵۹۲، تفسیر کبیر: سورہ مائدہ، آیت: ۶۲/۶۳)

امام رازی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ
 ”اللہ تعالیٰ نے علماء اہل حق سے اس بات کو بعید قرار دیا ہے کہ
 معمولی لوگوں اور عوام الناس کو وہ معاصی سے نہ روکیں اور یہ بات اس
 پر دلالت کرتی ہے کہ نبی عن المنکر کا تارک، خود مرتکب گناہ کے درجے
 میں ہوتا ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق (گناہ کے مرتکب
 و نبی عن المنکر کے تارک) کی مذمت ایک ہی لفظ (لَبِئْسَ) سے فرمائی
 ہے؛ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ نبی عن المنکر کے تارک کی مذمت یہاں زیادہ
 قوت سے کی گئی ہے؛ کیونکہ گناہ، ظلم اور حرام خوری پر اقدام کرنے
 والوں کے بارے میں یہ فرمایا: ”لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ“
 (الأنعام: ۶۲) اور نبی عن المنکر کے تارک علماء کے بارے میں یوں
 فرمایا: ”لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ“ (الأنعام: ۶۳) اور منع فعل
 سے زیادہ قوی ہے؛ کیونکہ عمل کو صناعیت سے اس وقت تعبیر کرتے ہیں،
 جب وہ خوب اچھی طرح راسخ و پیوست و مستحکم ہو جائے؛ لہذا گناہ
 کرنے والوں کا جرم تو غیر راسخ ہوا اور نبی عن المنکر کے تارکین کا جرم
 راسخ و مستحکم ہوا۔

(تفسیر کبیر: سورہ مائدہ، آیت: ۶۲/۶۳)

اور اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

”اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری ان دو طبقوں پر ہے: ایک مشائخ دوسرے علماء اور اس میں آخر میں فرمایا کہ: ”لبئس ما کانوا یصنعون“ یعنی علماء و مشائخ کی یہ سخت بری عادت ہے کہ اپنا فرض منصبی امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے، قوم کو ہلاکت کی طرف جاتا ہوا دیکھتے ہیں۔

نیز لکھا کہ جس قوم کے لوگ جرائم اور گناہوں میں مبتلا ہوں گے اور ان کے مشائخ و علماء کو یہ بھی اندازہ ہو کہ ہم ان کو روکیں گے، تو یہ باز آجائیں گے۔ ایسے حالات میں اگر یہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے ان جرائم اور گناہوں کو نہیں روکتے، تو ان کا جرم اصل مجرموں، بدکاروں کے جرم سے بھی زیادہ اشد ہے۔

(معارف القرآن: ۱۸۵/۳-۱۸۶)

فَاللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اِمَمًا يَهْتَدُونَ بِاَمْرِ نَا لَمَّا صَبَرُوا وَ كَانُوا بَائِتًا يُّوقِفُوْنَ﴾ [النہجہ: ۲۳]

(اور ہم نے ان میں امام بنائے، جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت دیتے تھے، جبکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین کرتے تھے۔)

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١٦٣﴾

اس آیت میں حضرت نبی کریم ﷺ کے فرائض منصبی کا بیان ہے: لہذا یہی سب کچھ علماء کی ذمہ داریوں میں بھی شامل ہوگا۔

مذکورہ امور کی کچھ تفصیل و تشریح حضرت مولانا ابوالحسن علی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیان سے ہوتی ہے، لہذا یہاں اس کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ

”شاید انسانوں کی کوئی جماعت اتنی مشغول اور فرائض و ذمہ داریوں سے اتنی گراں بار نہیں، جتنی مائیدانِ رسول اور علماء و مصلحین اسلام کی جماعت ہے، جسمانی امراض کے طبعیوں کو بھی آرام اور فرصت کا موقعہ میسر آ جاتا ہوگا؛ لیکن ان اطباء و روح کے لئے کوئی موسمِ اعتدال و صحت کا نہیں؛ لیکن علماء حق اور ”قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ“ (اللہ کے لئے کھڑی ہو جانے والی اور انصاف کی گواہ) جماعت کا کام بعض مرتبہ مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں ختم ہونے کے بجائے کچھ بڑھ ہی جاتا ہے۔ کچھ چیزیں ہیں، جو حکومت و طاقت و دولت و فراغت ہی کے زمانے میں پیدا ہوتی ہیں اور علماء اسلام ہی کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی نگرانی کریں، وہ اپنے فریضہٴ احتساب، نگرانی، اخلاقی اور دینی رہنمائی کے منصب سے سبکدوش نہیں ہوتے۔ اس وقت بھی ان کا جہاد اور ان کی جدوجہد، جاری رہتی

ہے۔

کہیں مسلمانوں کی سرفارہ زندگی پر روک ٹوک کر رہے ہیں، کہیں سامان بیش و غفلت پران کی طرف سے قدغن ہے، کہیں چوری کی شراب کو گرفتار کیا ہے اور اس کو انڈیل رہے ہیں، کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کو توڑ رہے ہیں، کہیں مردوں کے لئے ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر چھین بچھین ہیں، کہیں بے حجابی، مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط پر معترض ہیں؛ کہیں حماموں کی بے قاعدگیوں اور بداخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں، کہیں غیر مسلموں اور عجمیوں کی عادات اور خصوصیات اختیار کرنے پران کی طرف سے مخالفت ہے؛ کبھی مسجدوں کے صحن اور مدرسوں کے ایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں اور قال اللہ و قال الرسول کی صدا بلند کر رہے ہیں اور کبھی خانقاہوں میں یا اپنے گھروں اور مسجدوں میں بیٹھے ہوئے دلوں کا زنگ دور کر رہے ہیں۔ اللہ کی محبت و طاعت کا شوق پیدا کر رہے ہیں۔ امراض قلب، حسد، تکبر، حرص دنیا، دوسرے نفسانی و روحانی امراض کا علاج کر رہے ہیں۔ کبھی منبر پر کھڑے ہوئے جہاد کا شوق دلا رہے ہیں اور اسلام کی سرحدوں کی حفاظت یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کر رہے ہیں۔

پوری اسلامی تاریخ میں آپ کو زندہ اور ربانی علماء جو حکومت وقت کے دامن سے وابستہ نہیں تھے یا حقیر جھگڑوں میں

مشغول نہیں تھے، انہیں مشاغل میں منہمک نظر آئیں گے اور مسلمانوں کا کوئی دور حکومت ان علماء حق اور ان کی جدوجہد سے خالی نہیں رہا۔“

(خطبات علی میاں: ۶/۲۲۳-۲۲۴)

تبلیغ کے دو ارکان: امر بالمعروف ونہی عن المنکر

حضرات علماء کے ذمہ میں آنے والے ان تمام امور کا خلاصہ دو باتیں ہیں اور یہی تبلیغ و دعوت کے دو بنیادی ارکان بھی ہیں: ایک امر بالمعروف۔ دوسرے نہی عن المنکر۔ جن کا قرآن و سنت میں بار بار حکم و ترغیب اور ان کے ترک کی ممانعت اور وعید بیان کی گئی ہے۔

ایک جگہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

[البقرة: ۱۷۷]

(تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے، جو خیر کی جانب دعوت دینے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والی ہو اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔)

دوسرے موقع پر ارشاد باری ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

[البقرة: ۱۷۷]

(تم) (اے امت محمدیہ!) بہترین امت ہو، جس کو لوگوں کے نفع کے لئے برپا کیا گیا ہے، تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

نیز احادیث بھی اس سلسلے میں واضح اور دونوک طریقے پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت و ضرورت بیان کرتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَ لَتَنْهَوْنَ
 عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْ
 عِنْدِهِ ثُمَّ لَتَذْغُنَّهُ فَلَا يُسْتَجِيبُ لَكُمْ.»

(تم) ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب تم پر بھیج دے۔ پھر تم اس سے دعا بھی کرو، تو وہ قبول نہیں کرے گا۔)

(ترمذی: ۲۱۶۹)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، فَإِنْ لَمْ
 يَسْتَطِعْ فِلِسَانِهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ ، وَ ذَلِكَ أَوْفَعُ
 الْإِيمَانِ .»

(تم) میں سے جو شخص کسی منکرات کو دیکھے، اس کو چاہئے کہ ہاتھ سے اس کو روک دے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو، زبان سے منع کرے

اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کم تر و کمزور درجہ ہے۔)

(مسلم: ۱۸۶۰۔ صحیح ابن حبان: ۳۰۷۰۔)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی تشریح و توضیح

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کا اندھلوی ”فضائل تبلیغ“ میں درج ذیل احادیث کا اس سلسلے میں ذکر کیا ہے:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں پہلا تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی نا جائز بات کو کرتے دیکھتا، تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر ایسا نہ کر، لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نشست و برخاست میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ پہلے سے تھا، جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو، اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کے ساتھ غلط کر دیا (یعنی نافرمانوں کے قلوب جیسے تھے ان کی نحوست سے فرماں برداروں کے قلوب بھی ویسے ہی کر دئے) پھر ان کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں پڑھیں، وہ آیات یہ ہیں:

﴿لَعَنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَقُولُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا

قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسَهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٨١﴾

[ماکدہ: ۷۸-۸۱]

(بنی اسرائیل میں سے ملعون ہوئے، وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، داود علیہ السلام کی زبان پر اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزر گئے تھے۔ آپس میں منع نہ کرتے ان برے کاموں سے جن کو وہ کرتے تھے، کیا ہی برا کام ہے، جسے وہ انجام دیتے تھے۔ تم دیکھتے ہو، ان میں سے بہت سے لوگوں کو کہ وہ دوستی کرتے ہیں کافروں سے۔ کیا ہی برا سامان بھیجا انہوں نے اپنے لئے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور اس چیز پر، جو نبی پر اتری، تو وہ کافروں کو دوست نہ بناتے؛ لیکن ان میں کے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو، اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔

(۲) دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تکلیف لگائے ہوئے بیٹھے تھے، جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور قسم کھا کر فرمایا کہ تم نجات نہیں پاؤ گے، جب تک کہ ان کو ظلم سے نہ روک دو۔

(۳) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا:

”تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور خالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو، ورنہ تمہارے قلوب اسی طرح غلط کر دئے جائیں گے، جس طرح ان لوگوں کے کر دئے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی، جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔

ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”آجکل یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ آدمی صلح کل رہے، جس جگہ جاوے، ویسی ہی کہنے لگے، اسی کو کمال اور وسعت اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ علی الاطلاق غلط ہے؛ بلکہ جہاں امر بالمعروف وغیرہ قطعاً مفید نہ ہو، ممکن ہے کہ صرف سکوت کی گنجائش نکل آوے (نہ کہ ہاں میں ہاں ملانے کی)؛ لیکن جہاں مفید ہو سکتا ہے مثلاً اپنی اولاد، اپنے ماتحت، اپنے دست نگر لوگوں میں، وہاں کسی طرح بھی یہ سکوت کمال اخلاق نہیں؛ بلکہ سکوت کرنے والا شرعاً و عرفاً خود مجرم ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کو محبوب ہو، اپنے بھائیوں میں محمود ہو، (اغلب یہ ہے کہ) وہ مداین ہوگا۔

متعدد روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ جب کوئی گناہ مخفی طور پر کیا جاتا ہے تو، اس کی معصرت کرنے

والے ہی کو ہوتی ہے؛ لیکن جب کوئی گناہ کھلم کھلا کیا جاتا ہے اور لوگ اسے روکنے پر قادر ہیں اور پھر نہیں روکتے، تو اس کی مضرت اور نقصان بھی عام ہوتا ہے۔ اب ہر شخص اپنی ہی حالت پر غور کر لے کہ کتنے معاصی اس کے علم میں ایسے کئے جاتے ہیں، جن کو وہ روک سکتا ہے اور پھر بے توجہی اور لاپرواہی اور بے التفاتی سے کام لیتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور اس کو کوتاہ نظر بتلایا جاتا ہے، اس کی اعانت کرنے کے بجائے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔

(فضائل اعمال: ۱: ۲۷۷-۲۷۸)

ترک امر بالمعروف ونہی عن المنکر تحریف دین کا سبب ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ارشاد

ان بیانات سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت معلوم ہوگئی، اب اسی کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ایک بیان بھی حضرات علماء کی خدمت میں پیش کر دینا مناسب ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ پچھلے دور میں جو یہود و نصاریٰ کے دین و شریعت میں تحریفات ہوئی ہیں، ان کے مختلف اسباب میں سے ایک اہم سبب ان کے علماء کا ترک امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے ان کی عبارت ”حجة اللہ البالغہ“ سے نقل کرتا ہوں:

”و من أسباب التحریف التهاون، و حقیقته: أن

یخلف بعد الحواریین خلف أضاعوا الصلاة، و اتبعوا

الشہوات ، لا یهتمون بإشاعة الدین تعلماً و تعلیماً و عملاً ، ولا یأمرون بالمعروف ولا ینہون عن المنکر ، فینعقد عما قریب رسوم خلاف الدین ، و تكون رغبة الطباع خلاف رغبة الشرائع ، فیجئ خلف آخرون یمزیدون فی التهاون حتی ینسی معظم العلم . و التهاون من سادة القوم و کبراؤهم أضربهم و أكثر إفساداً ، و بهذا السبب ضاعت ملة نوح و إبراہیم علیہما السلام ، فلم یکد یوجد منهم من یعرفها علی وجهها“ .

(اور تحریف دین کے اسباب میں سے ایک سبب دین سے لا پرواہی ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ حواریوں یعنی نبی کے اصحاب کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوں، جو نمازوں کو ضائع کریں اور خواہشات کی پیروی کریں اور دین کی اشاعت کا اہتمام، تعلیم و تعلم اور عمل کے لحاظ سے نہ کریں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کریں۔ جس کے نتیجے میں بہت جلد دین مخالف رسومات جڑ پکڑ لیں اور لوگوں کی طبیعتیں شریعتوں کی رغبت و مرضی کے خلاف بن جائیں، پھر ان کے بعد کچھ لوگ آکر اس میں اضافہ کریں؛ یہاں تک کہ علم کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے اور یہ دین سے لا پرواہی قوم کے بڑوں اور سرداروں کی جانب سے ہو، تو یہ زیادہ نقصان دہ اور فساد انگیز ہوتی ہے۔ اور اسی سبب سے حضرت نوح و حضرت ابراہیم علیہما السلام کی شریعتیں ضائع ہوئیں؛ یہاں تک کہ ان کی اصلی صورت میں جاننے والا

(کوئی نہیں ملتا۔)

(تجۃ اللہ الباقیہ: ۱/۲۵۲)

اس میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت گہری بات فرمائی ہے، جو اہل علم حضرات کے لئے بالخصوص اور تمام اہل دین حضرات کے لئے بالعموم قابل غور و لائق اعتناء ہے۔ وہ یہ کہ دین کے بارے میں تہاؤن و لا پرواہی اور اس کی وجہ سے علماء و اہل دین کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے غفلت اور اس کا ترک تحریف دین و شریعت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔

چنانچہ بعض جگہ یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جب یہ فریضہ ترک کر دیا جاتا ہے اور ایک عرصہ اس پر گزر جاتا ہے، تو لوگ بدعات و خرافات ہی کو دین و شریعت سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اسی وجہ سے جب ان کو اس کے ترک کی دعوت دی جاتی ہے، تو نہایت شد و مد کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری شریعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت کی ذمہ داری میں لے لیا ہے، اس لئے پوری طرح یہاں تحریف ہو جائے اور لوگ دین ہی کو نہ جان سکیں، ایسا نہ ہوگا؛ تاہم بعض علاقوں میں یا بعض لوگوں میں اس طرح کی نوبت کا آجانا مستبعد نہیں ہے؛ بلکہ مشاہد ہے۔

الغرض یہ آیات و احادیث اور حضرات اکابر کے بیانات سب کے سب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت و ضرورت کو واضح الفاظ میں بیان کر رہے ہیں؛ لہذا ایک جانب علماء کرام کو چاہئے کہ وہ امر بالمعروف کا اہتمام کریں، اور ایمان و عقیدے، عبادات و اعمال، اخلاق و کردار، معاشرت و تہذیب، معاملات و تجارتات کے سبھی شعبوں سے متعلق احکام شرعیہ کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائیں اور مکمل دین میں داخل ہونے اور تمام ابواب دین کو اپنانے کی ترغیب دیں، اس کی ضرورت

کا احساس دلائیں، ان کا اجر و ثواب بتائیں۔ اور ان کے ترک و اعراض کا گناہ و وبال واضح کریں۔

الغرض ”ادخلوا فی السلم كافة“ کا یہیغام قرآنی گھر گھر میں اور در در پر پہنچائیں۔

دوسرے: نبی عن المنکر یعنی ہر قسم کے منکر و ناجائز کام کو روکنے اور اس کے ازالے کی فکر کریں، خواہ وہ عقائد کے منکرات ہوں یا عبادات کے، معاملات کے ہوں یا معاشرت کے، اخلاق کے ہوں یا تعلیم و تربیت کے۔

صلح کل ہونا کوئی بزرگی نہیں، بے دینی کی بات ہے

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بعض لوگوں نے جو یہ طریق بنالیا ہے کہ سب کے ساتھ صلح کل ہو کر رہے، اور کسی کی کسی برائی پر روکنے و ٹوکنے کو برا خیال کرتے اور بزرگی و کمال کے خلاف سمجھتے ہیں، یہ خلاف شرع بات ہے، کوئی کمال نہیں؛ بلکہ انتہائی نقص و عیب و قابل گرفت بات ہے۔

یہاں حضرت تھانوی کے ایک ارشاد کا خلاصہ نقل کر دینا مناسب ہے، جو اسی قسم کی ذہنیت کے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا تھا، وہ یہ کہ

”آج کل درویش یا بزرگ کے معنی سمجھتے ہیں کہ نہ کسی کو کچھ کہے،

نہ سنے، نہ روکے نہ ٹوکے، بس سب کے ساتھ صلح کل ہو کر رہے۔ اور اس

کے لئے ایک شعر گھڑ لیا ہے، جس میں ”حافظ“ دیکھ کر یا لگا کر اس کو

خواجہ حافظ (شیرازی) علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام

با مسلمان اللہ اللہ، با برہمن رام رام

حالانکہ حافظ شیرازی شاید ”رام رام“ جانتے بھی نہ ہوں گے، پھر دیوان حافظ میں تحریفوں کے باوجود مزہ یہ ہے کہ اس شعر کا پتہ نہیں، ہاں کسی دیوانے حافظ کا ہوگا: البتہ ایک اور شعر بھی ہے، جس سے آج کل کے صوفی اپنے مسلک صلح کل پر استدلال کرتے ہیں اور وہ واقعی حافظ کا ہے:

مباش در پئے آزار و ہر چہ خوانی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست
تو اس کا سیدھا مطلب تو یہ ہے کہ آزار کے قصد سے کسی کو آزار نہ دو، اور یہی درحقیقت آزار کے درپے ہونا ہے۔ باقی جو شخص اصلاح کی غرض سے آزار دے جیسے طبیب و ڈاکٹر آپریشن کرتا ہے یا باپ و استاد تادیباً بچے کو مارتا ہے، اسی طرح اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے سے کسی کو آزار پہنچے بھی، تو یہ درپے آزار ہونا نہیں ہے۔
(آداب تبلیغ مندرجہ خطبات حکیم الامت: ۷۷-۷۸)

الغرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ہزرگی کے خلاف سمجھنا عجیب قسم کی غلط فہمی یا شیطانی وسوسہ ہے۔ لہذا اس فریضہ کے سلسلے میں ایسی بے حقیقت و لاعینی باتوں سے کوتاہی نہ ہونا چاہئے۔

ہاں! اس میں بھی قواعد و ضوابط اور اصول و آداب کی رعایت رکھنا چاہئے، اندھا دھند نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس سلسلے میں علماء نے جو کتب تحریر کی ہیں ان سے استفادہ بھی کرنا چاہئے۔

مسلم اہل سنت کی حفاظت و اشاعت

اور اسی میں مسلم اہل سنت کے خلاف جو نظریات و عقائد اہل باطل کی جانب سے سامنے لائے جاتے ہیں اور امت میں پھیلانے جاتے ہیں، ان کے خلاف بھی آواز اٹھانا اور ان کی روک تھام کی کوشش کرنا اور امت کو مسلم اہل سنت سے آگاہ کرنا اور اس کی توضیح و تفصیل کرنا بھی داخل ہے۔

کیونکہ اسلاف نے جہاں دیگر منکرات کے خلاف کام کیا، وہیں مسلم اہل سنت کے خلاف رائج نظریات و عقائد کی بیخ کنی بھی کی اور اس کو ایک اہم فرض سمجھا اور اس میں بھی کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔

اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ کتاب و سنت سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے، اس کا اعتبار اسی وقت ہے، جبکہ وہ اہل سنت یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین وغیرہ حضرات کی سمجھ و فہم سے ہم آہنگ ہو؛ اگر کوئی شخص قرآن و سنت سے اخذ کر کے ایک ایسی بات سامنے لاتا ہے، جو صحابہ و تابعین و ائمہ امت کے اخذ کردہ مفہوم سے الگ ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

آج دنیا میں ہر باطل فرقہ و گمراہ طبقہ بھی قرآن و سنت ہی سے اپنے باطل مزمومات و گمراہ خیالات کی دلیل لاتا ہے؛ اگر ان سب کو تسلیم کر لیا جائے، تو قرآن و حدیث باز بچہ کھال بن جائیں گے۔

اسی لئے ایک حدیث میں جہاں یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ اہل حق ہمیشہ احق حق و ابطال باطل میں لگے رہیں گے، وہیں اس میں ان اہل حق علماء کی ذمہ داریوں کی جانب بھی واضح اشارے دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ

”يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُوْلُهُ يَنْقُوتُ عَنْهُ
تَحْرِيفُ الْغَالِيْنَ وَ تَاْوِيْلُ الْجَاهِلِيْنَ وَ اِنْصَحَالُ الْمُبْطِلِيْنَ.“
(اس علم دین کو ہر بعد کے لوگوں میں سے قابل اعتبار لوگ اٹھائیں
گئے۔ اس حال میں کہ وہ غلو کرنے والوں کی تحریف اور جاہلین کی تاویل
اور باطل پرستوں کے دعوے کی نفی کرتے ہوں گے۔)

(مسند بزار : ۹۳۲۳۔ مشکل الآثار طحاوی : ۳۸۸۴۔ مسند
الاشعبین : ۵۹۹۔ الاحکام الشرعیہ للما شعلی : ۳۴۲۔)

اس میں اہل علم کی تین اہم ذمہ داریوں و کاموں کی جانب اشارہ ہے: ایک یہ
کہ ”عالی لوگوں کی تحریف کا پردہ چاک کرنا“۔ عالی سے مراد اہل بدعت ہیں، جو
دین میں غلو کرتے ہوئے اپنے غلو پر قرآن و سنت سے دلیل لانے کی بے جا کوشش
کرتے ہیں اور اپنے مقصد و منہا کو ثابت کرنے کے لئے قرآن و سنت میں تحریف
سے کام لیتے ہیں۔ لہذا اہل علم حضرات کا کام یہ ہے کہ وہ ان عالیوں و بدعتیوں کی
ان تحریفات کا پردہ چاک کریں۔

دوسرے یہ کہ ”جاہلوں کی تاویل کا رد کرنا“۔ جاہل سے مراد قرآن و حدیث
کے علوم سے جاہل اور تاویل سے مراد ایسی تاویل ہے، جو حق و صواب سے دور ہو،
جب کوئی قرآن و حدیث سے بے بہرہ (اگرچہ وہ ڈاکٹر و انجینئر یا کچھ اور ہو) کسی
آیت و حدیث میں من مانی تاویل کرے اور سلف کی تفسیر و تشریح سے ہٹ کر ان کے
معانی بیان کرے، تو اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ ان باطل و غلط تاویل کا رد کر کے صحیح و
مستند تاویل پیش کریں۔ جیسے آجکل بعض دنیوی علوم پڑھتے ہوئے لوگ محض اہل علم
سے تعصب کی بنا پر قرآن و سنت میں دخل دیتے اور من مانی معانی و تاویلات پیش

کرتے اور عوام کو گمراہ کرتے رہتے ہیں، لہذا اہل علم ان کا رد کریں۔

اور تیسرے یہ کہ ”باطل پرست لوگوں کے دعوے کی تردید کرنا“۔ انتحال کے معنی ہیں اپنے لئے کسی چیز کا دعویٰ کرنا، اور مراد یہ ہے کہ باطل پرست لوگ جب کسی غلط بات کا دعویٰ کریں اور لوگوں کو گمراہ کریں، تو اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ ان کے ان باطل دعوؤں کے بطلان کو واضح کریں اور ان کی خامیوں کو سامنے لائیں؛ تاکہ حق و باطل میں فرق ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ اگر اہل علم یہ کام نہیں کریں گے، تو حق و باطل کا امتیاز ختم ہو جائے گا اور اہل باطل اپنی چکنی چڑی باتوں سے عوام میں اپنی بدعات و باطل نظریات کو فروغ دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس بات کی وضاحت کس شاندار انداز سے فرمائی ہے، کہتے ہیں کہ

”معلوم ہونا چاہئے کہ ضروریات طریق میں سے یہ بھی ہے کہ صحیح عقیدہ رکھا جائے، جس کو علماء اہل سنت نے کتاب و سنت اور آثار سلف سے سمجھا ہو، نیز یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ قرآن و حدیث کو انہی معانی پر محمول کیا جائے، جو علماء اہل سنت نے سمجھے ہوں اور اگر بالفرض کشف والہام سے جمہور علماء کے خلاف کسی نص کے معنی معلوم ہوں، تو اس کا اعتبار نہیں؛ بلکہ اس سے پناہ مانگنا چاہئے؛ کیونکہ جمہور علماء کی آراء کے خلاف جو معانی سمجھے جائیں، وہ مقام اعتبار سے قطعاً ساقط ہیں؛ اس لئے کہ ہر مبتدع اور گمراہ اپنے معتقدات کو بزعم خود قرآن حدیث ہی سے نکالتا ہے،“

.....یہ جو میں نے دعویٰ کیا کہ علماء اہل حق
 ہی کے سمجھے ہوئے معافی معتبر ہیں اور ان کے خلاف کسی اور کے سمجھے
 ہوئے معتبر نہیں، تو یہ اس واسطے کہ علماء اہل حق نے ان معافی کو صحابہ
 کرام ؓ اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے چشمہ فیوض سے حاصل کیا
 ہے اور انہی کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے۔

(مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۶)

لہذا مسلک اہل سنت ہی حق و اصل ہے؛ اس لئے اسی پر جمنے و جمانے کی
 کوششیں و تدبیریں کی جانی چاہئیں۔

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے مودودی صاحب کے رد میں لکھے گئے
 اپنے رسالہ کے ابتدا یہ میں لکھا ہے:

”لیکن ادھر کئی برس سے حالات ایسے رونما ہوتے گئے کہ ان پر نقد و
 تبصرہ کرنے اور ان کی کجروی ظاہر کرنے کے سلسلے میں میری طبیعت
 کشمکش سے دوچار ہوتی گئی اور سکوت طویل ہوتا گیا، اب محسوس کرتا
 ہوں کہ خاموشی ایک ناقابل غنوغناہ اور شدید جرم ہے۔ اب وقت آ گیا
 ہے کہ ان کے افکار و نظریات کا بے لاگ تجزیہ کر کے اور خوب چھان
 پھنگ کر کے بغیر کسی رعایت و مہامت کے حق کا اثبات و باطل کا ابطال
 کر دوں؛ کیونکہ امت کا فریضہ ہے کہ دین کی بنیادوں کو الحاد و تحریف
 کے رخنوں سے محفوظ رکھے۔

(مودودی صاحب - افکار و نظریات: ۴۱)

جب ایران میں خمینی نے اسلام کے نام سے شیعیت کو فروغ دیا اور شیعہ

عقائد کو اپنی کتابوں میں لکھ کر اسلام کے نام سے پیش کیا اور اس وقت بہت سے اسلام کے نام لیوا؛ بلکہ فکر اسلامی کے علمبردار اور اسلام کے عروج و غلبہ کے داعی بھی خمینی سے متاثر ہو گئے اور اس کی تائید میں اس کو اسلام کا ہیر و قرار دینے لگے اور شیعی عقائد کی گمراہی کو ”اتحاد و اتفاق“ کے نام سے قبول کرنے لگے، تو اس وقت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”عقیدہ کی اہمیت ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل میں خطرناک حد تک کم ہوتی جا رہی ہے اور یہ بڑی تشویش انگیز اور قابل فکر بات ہے، انبیاء و غیر انبیاء کی دعوتوں میں اور ان کی جدوجہد کے مقاصد اور محرکات میں سب سے بڑی حد فاصل یہی عقیدہ ہے، جس پر وہ کسی سمجھوتے اور اونے پونے سودا کر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ان کے یہاں رد و قبول، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا معیار اور وصل و فصل کی شرط ہی عقیدہ ہوتا ہے۔ یہ دین (جو مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باوجود) اپنی اصلی شکل میں اس وقت تک موجود ہے، اسی عقیدہ کے معاملہ میں صلابت و استقامت اور غیرت و حمیت کا مرہون منت ہے۔ دین کے شارحین و محافظین نے اس سلسلہ میں کسی باجبروت طاقت اور کسی وسیع سے وسیع تر بادشاہی کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور اس کے کسی غلط عقیدہ اور دعوے پر سکوت جائز نہیں سمجھا؛ چہ جائیکہ مسلمانوں کے دنیاوی منافع اور اختلاف و تفریق سے بچنے کے لالچ میں قبول کر لیتے یا ہمنوا کی کرتے۔ امام احمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ) کا نہ صرف مسلمانوں کے دو

سب سے بڑے حکمرانوں؛ بلکہ اس دور کے سب سے بڑے فرماں رواؤں خلیفہ مامون الرشید اور مقتضی بن ہارون رشید کے مقابلہ میں صف آرا ہو جانا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی (م: ۱۰۳۴ھ) کا شہنشاہ اکبر کے عقیدہ ہزارہ دوم، دعوائے امامت و اجتہاد اور وحدت ادیان کی مخالفت کرنا، پھر جہانگیر کے عہد تک اس کو اس وقت تک جاری رکھنا جب تک مغلیہ حکومت کا رخ بدل نہیں گیا، اس کی دو مثالیں ہیں؛ ورنہ تاریخ اسلام اپنے اندر ”کلمۃ حق عند سلطان جائز“ اور ”لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق“ کی بیسیوں تائیدات رکھتی ہے۔ یہ سلطان جائز کبھی شخصی بادشاہ ہوتا ہے، کبھی رائے عامہ، کبھی شہرت عام، کبھی دل فریب کامیابیاں، اور بلند بائگ دعاوی۔ اور تاریخ و تجربہ شاہد ہے کہ آخر الذکر صورتیں زیادہ آزمائش کی چیزیں ہیں۔

(مقدمہ ایرانی انقلاب شیعیت اور امام خمینی: ۱۳-۱۵)

نیز آپ نے حضرات علماء و طلبہ کو جن کا فریضہ ہی احقاق حق و ابطال باطل ہے اور وہ دنیا میں ”شہادت حق“ کا فرض ادا کرنے کے لئے ہی جلوہ گر ہوئے ہیں، ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”دوستو اور بھائیو! میں نے آپ کا بہت وقت لیا؛ لیکن ”لذیذ بود حکایت درازتر گفتیم“ اب آپ سے رخصت ہونے سے پہلے میں ایک آخری چیز کہنا چاہتا ہوں جو اگرچہ آخر میں کہی جا رہی ہے؛ مگر وہ اہمیت میں کسی سے کم نہیں، آپ کے اور ہمارے اسلاف کا سب سے بڑا

کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی دینی حس اور مذہبی غیرت کی حفاظت کی اور وقت کے کسی فتنے کے سامنے سپر نہیں ڈالی، انہوں نے بدعات و رسوم اور شعائرِ جاہلیت کے معاملہ میں بھی مدافعت و تساہل سے کام نہیں لیا، آپ کے اسلاف میں حضرت مولا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور مولا نارید احمد گنگوہی رحمہ اللہ جیسے جبلِ استقامت اور نقیبِ شریعت گزرے ہیں، جنہوں نے سب کچھ گوارا کیا؛ مگر کسی خلافِ شریعت فعل اور کسی بدعات کے ساتھ رعایت نہیں برتی، انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد جب اس ملک پر مغربی تہذیب و عادات اور طحہ انہ عقائد و خیالات کا سیلاب آیا تو آپ چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہے، آپ کے اسلافِ شریعت کے بارے میں اتنے ذکی اُنکس اتنے دور بین اور اتنے غیور واقع ہوئے تھے کہ انہوں نے آخر وقت تک بدعات کو سند جواز نہیں دی جو مسلمانوں کی زندگی کا جزء بنتی جاتی تھیں، انہوں نے محتسب اور شریعت کے بے لاگ مختصم کے فرائض انجام دیئے اور ان کی نگاہ احتساب سے کوئی انحراف اور بدعت بچ کر نہیں نکل سکی انہوں نے عوام کا عتاب، لوگوں کی ملامت، تکفیر کے فتوے، مقاطعہ اور ایذا رسانی سب کچھ گوارا کیا؛ مگر اپنے مسلک کو نہیں چھوڑا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج لاکھوں کی تعداد میں ایک طبقہ جو زیادہ سنجیدہ، باوقار اور صاحبِ فکر ہے ان بدعات سے محفوظ ہے اور یہ بدعات ابھی تک مسلمانوں کی زندگی میں مستند اور مسلم نہیں ہو سکیں، اللہ

تعالیٰ ان خادمین شریعت اور ان محافظین دین کی تربیتیں ٹھنڈی رکھے اور ان کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نور ستا اس گھر کی نگاہ بانی کرے

(پاجاسراغ زندگی: ۱۱۸)

اسی کتاب میں ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ:

” عزیز طلبہ! آپ کے اسلاف وہ تھے جنہوں نے بدعات کے ساتھ ادنیٰ مصالحت گوارا نہیں کی، آپ کے اسلاف نے آج تک مولود کے قیام کی اجازت نہیں دی، کتنے رسوم و طریقے ہیں جو مسلمانوں کی زندگی میں داخل ہو گئے اور انہوں نے مذہبی فرائض اور دینی شعائر کی حیثیت اختیار کر لی ہے؛ لیکن آپ کا جس مکتب خیال اور مسلک سے تعلق ہے اس کے علما نے ان کی ہمیشہ مخالفت کی اور ان کو بدعت اور بے اصل بتایا، اس کی ان کو معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی، ان کا مقاطعہ کیا گیا، ان کو مسجدوں سے نکالا گیا، ان پر کفر و ضلالت کے فتوے لگائے گئے، وہ بہت سی دنیوی مفادات اور لذتوں سے محروم رہے؛ لیکن انہوں نے ان چیزوں کے ساتھ ذرا بھی رواداری نہیں برتی اور کسی بدعت اور مصلحت کوشی سے کام نہیں لیا، میرا خود اسی کمپ سے تعلق ہے جو شرک و بدعات کے مقابلہ میں سر پہ کف رہا ہے؛ بلکہ میرا تعلق اس خاندان سے ہے جو اس سلسلہ میں بہت آگے رہا ہے اور جو شرک و بدعات کے معاملے میں

زیادہ ذکی الحس واقع ہوا ہے، میرا نسبی و روحانی اور ذہنی تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ہے جنہوں نے اس ملک میں احیائے توحید اور سنت کی دعوت کا علم بلند کیا اور اس کے لیے جان کی بازی لگادی، اگر میری جرأت معاف کی جائے تو میں کہوں کہ آپ کے کمپ میں بھی یہ خیال اور یہ دعوت و حمیت اسی کمپ سے آئی ہے؛ اس لیے مجھے یہ پوری تاریخ عزیز ہے، میں اس پورے ورثے کو سینے سے؛ بلکہ آنکھوں سے لگاتا ہوں، نہ اس پر شرمسار ہوں اور نہ اس سے دستبردار، میری تمام تحریریں، میری حقیر کاوشیں اور کوششیں سب اسی ورثے کی حفاظت اس کی تبلیغ و اشاعت اور اس کی بازیافت میں صرف ہوئی ہیں۔

میں کہ مری نوا میں ہے آتش رفتہ کا سراغ

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

میرے کو تاد قلم نے ”دعوت و عزیمت“ کی داستان تفصیل سے

بیان کی ہے اور اس موضوع پر ہزاروں صفحات سیاہ کیے ہیں، مجھ پر ان کتابوں کے مصنف کی حیثیت سے بھی ذمہ داری ہے کہ میں آپ کا احتساب کروں۔

آپ ان اسلاف کے نام لیوا ہیں جنہوں نے دین میں ادنیٰ

تحریف اور مسلمانوں کے ادنیٰ انحراف کو برداشت نہیں کیا، آج معاملہ بدعات کا نہیں، آج معاملہ انگریزی تعلیم کا نہیں آج معاملہ ایک طرف شرک جلی، اصنام پرستی، دیومالا کی عقائد (میتھا لوجی) کا ہے، آج

معاملہ برہمنی تہذیب اور ہندو معاشرت کے قبول کرنے کا ہے، دوسری طرف آج معاملہ مکمل لادینیت اور کمیونیزم کے قبول یا رد کرنے کا ہے، آج معاملہ ایک ایسی قوم کی حیثیت اختیار کرنے کا ہے جس کی ساری وفاداریاں، وابستگیاں اس خاک کے ساتھ ہیں جن سے ہماری ظاہری جسم کا خمیر اٹھا ہے، اسی کے لئے جینا اور مرنا ہے، آج کا چیلنج اور آج کا خطرہ پچھلے تمام چیلنجوں اور خطرات سے زیادہ سنگین ہے اور اس کے قبول کرنے کے لیے کہیں زیادہ جرأت، کہیں زیادہ ایمان اور استقامت اور کہیں زیادہ ایثار و قربانی کی ضرورت ہے۔

(پاجاسراغ زندگی: ۱۳۶)

اب مسلک اہل سنت کے علماء کا غیر اہل سنت کے سلسلے میں کیا رویہ و سلوک تھا اور ہونا چاہئے؟ اس سلسلے میں چند حوالے سنتے چلئے، امام محی السنۃ بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”وَقَدْ مَضَتْ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ وَائْتَابَهُمْ وَعِلْمَاءُ السُّنَنِ عَلَى هَذَا مُجْمِعِينَ مُتَّفِقِينَ عَلَى مُعَادَاةِ أَهْلِ الْبِدْعِ وَمُهَاجَرَتِهِمْ“ (حضرات صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور علماء اہل سنت سب کے سب اہل بدعت سے عداوت و دوری رکھنے پر متفق و متحد ہیں۔)

(شرح السنۃ: ۲۲۷/۱)

امام شاطبی کہتے ہیں:

”إِنَّ فِرْقَةَ النِّجَاحِ وَهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ مَأْمُورُونَ بِعَدَاوَةِ

أَهْلِ الْبِدْعِ ، وَ التَّشْرِيدِ بِهِمْ ، وَ التَّنْكِيلِ بِمَنْ أَنَحَاشَ إِلَى
جَهَنَّمِمْ ، وَ نَحْنُ مَأْمُورُونَ بِعَذَاوَتِهِمْ ، وَ هُمْ مَأْمُورُونَ
بِمَوَالَاتِنَا ، وَ الرُّجُوعِ إِلَى الْجَمَاعَةِ “

(نجات پانے والا فرقہ وہ اہل سنت ہیں جو اہل بدعت
سے عداوت رکھنے، ان سے علیحدگی اختیار کرنے اور جو لوگ ان کی
جانب مائل ہیں، ان کو سزا دینے کے مأمور ہیں اور ہمیں ان سے
عداوت رکھنے کا اور ان کو ہم سے دوستی رکھنے اور اہل سنت والجماعت
کی جانب رجوع کرنے کا حکم ہے۔)

(الاعتصام: ۱۳۰/۱)

امام ابو عثمان اسماعیل الصابونی ”عقیدۃ السلف“ میں لکھتے ہیں کہ
”وَ اتَّفَقُوا مَعَ ذَلِكَ عَلَى الْقَوْلِ بِفَهْرِ أَهْلِ الْبِدْعِ ، وَ
إِذْلَاقِهِمْ ، وَ إِخْرَاقِهِمْ ، وَ إِبْعَادِهِمْ ، وَ إِفْصَائِهِمْ ، وَ التَّبَاعِدِ
مِنْهُمْ ، وَ مِنْ مُصَاحَبَتِهِمْ ، وَ مُعَاشَرَتِهِمْ ، وَ التَّقَرُّبِ إِلَى
اللَّهِ تَعَالَى بِمُجَانَبَتِهِمْ وَ مُهَاجَرَتِهِمْ “

(اسی کے ساتھ اہل سنت نے اہل بدعت کے مقہور و ذلیل و رسوا
کرنے اور اپنے سے دور کرنے اور ان کو دور رکھنے، ان کے ساتھ
مصاحبت و معاشرت اختیار نہ کرنے اور ان سے علاحدگی کے ذریعہ
اللہ کا قرب پانے پر اتفاق کیا ہے۔)

(عقیدۃ السلف: ۳۹)

اور ایک حوالہ لیجئے اور غور کیجئے علامہ ابن تیمیہ اپنے ”مجموع الفتاویٰ“ میں

لکھتے ہیں کہ

”وَيَجِبُ عُقُوبَةُ كُلِّ مَنْ انْتَسَبَ إِلَى أَهْلِ الْبِدْعَةِ أَوْ ذَبَّ عَنْهُمْ أَوْ أَثْنَى عَلَيْهِمْ أَوْ عَظَّمَ كُتُبَهُمْ أَوْ عَرَفَ بِمُسَاعَدَتِهِمْ وَ مُعَاوَنَتِهِمْ أَوْ كَرِهَ الْكَلَامَ فِيهِمْ أَوْ أَخَذَ يَغْتَابِرُ لَهُمْ ؛ بَلْ تَجِبُ عُقُوبَةُ كُلِّ مَنْ عَرَفَ حَالَهُمْ وَلَمْ يُعَاوِنْ عَلَى الْقِيَامِ عَلَيْهِمْ ؛ فَإِنَّ الْقِيَامَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَوْجِبِ الْوَاجِبَاتِ “۔

(مجموع الفتاوی: ۱۳۲/۲)

(اور ہر اس شخص کو سزا دینا واجب ہے، جو اہل بدعت کی جانب منسوب ہو یا جو ان کا دفاع کرے یا جو ان کی تعریف کرے یا ان کی کتابوں کی قدر کرے یا جو ان کی مدد و تعاون کرنے میں مشہور ہو یا ان بدعتیوں کے بارے میں کلام کرنے کو برا سمجھے یا ان کے حق میں عذر پیش کرنے لگے، بلکہ ہر اس شخص کو سزا دینا لازم ہے، جو ان اہل بدعت کا حال جاننے کے باوجود ان کے خلاف کھڑے ہونے کے سلسلے میں کوئی تعاون نہ کرے؛ کیونکہ ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا سب سے بڑا واجب و ضروری کام ہے۔)

ان تمام حوالوں سے معلوم ہو گیا کہ مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور اہل باطل سے دوری و بعد اور ان سے علمی طور پر اختلاف اور ان کی دلائل سے تردید بھی ایک اہم کام ہے اور لازم و ضروری ہے، اس کو غلط ٹھیرانے والے اور غلط قرار دینے والے معلوم نہیں، ان بزرگوں اور ائمہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ

حضرات بھی قسمیں تھے اور دین و شریعت کے خلاف چلتے اور لوگوں کو چلاتے تھے اور امت کو لڑانے کا کام کرتے تھے؟

اہل باطل کی تردید تفرقہ بازی نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ ”اہل باطل کی تردید سے امت میں تفرقہ پیدا ہوگا اور یہ شرعاً حرام ہے؛ اس لئے ان لوگوں کی تردید بھی ناجائز ہے یا یہ کہ یہ نامناسب ہے“، اور پھر بدعات و خرافات کے خلاف آواز اٹھانے کو بھی تفرقہ بازی سے تعبیر کرتے اور آواز اٹھانے والوں کو امت میں پھوٹ ڈالنے والے اور شر پسند وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ سب دین اسلام کے مزاج سے ناواقفیت یا عدم وابستگی کا نتیجہ ہے؛ ورنہ یہ سوچنے کہ یہ اکابر اہل سنت جن، کے اقوال ابھی پڑھے گئے، وہ سب کیا شر پسند و تفرقہ ڈالنے اور امت کو لڑانے والے تھے؟

الحاصل علماء امت کی ذمہ داریاں بہت ہیں اور وہ سب دراصل وراخت نبوی کے منصب جلیل کا تقاضا ہے؛ لہذا ان ذمہ داریوں کی انجام دہی کی فکر اور امت کو راہ راست پر لانے کے لئے محنت و مجاہدہ لازم ہے۔

چوتھا باب

اکابر اسلاف کا باطل فرقوں و بدعات کے خلاف محاذ

اخیر میں سلف صالحین کی سیرت سے رہنمائی کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح عقائد و اعمال کے سلسلے میں ان حضرات کا موقف بعض واقعات کی روشنی میں پیش کر دیا جائے؛ تاکہ ایک جانب ہمیں اس سے رہبری ملے، تو دوسری جانب

ہماری ہمتوں میں بلند حوصلگی اور جذبوں میں بیداری پیدا ہو، نیز بعض لوگوں کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر اچھے برے کی تائید و تصدیق کوئی نیک عمل اور بزرگی کا معیار ہے؛ کیونکہ ہم نے بعض اچھے خاصے دینداروں کو بھی؛ بلکہ بعض علماء کو بھی دیکھا ہے، جو بدعات و خرافات اور غلط و باطل فرقوں کی تردید کو بزرگی کے خلاف سمجھنے کی عجیب و حیرت ناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں؛ لہذا یہاں سے ان کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی۔ اسی طرح ان حضرات کے ذہن کی بھی اصلاح ہو جائے، جو یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ بدعات و خرافات کی تردید اور اہل بدعت و باطل سے اختلاف بھی اس مذموم و حرام اختلاف میں داخل ہے، جس سے قرآن و حدیث میں منع کیا گیا ہے؛ حالانکہ وہ اس میں داخل نہیں؛ بلکہ یہ اختلاف لازم و ضروری ہے۔

حضرات صحابہ کے دور کے بارے میں یہ بات ناقابل تصور ہے کہ وہاں ایمان و عقیدے میں کمزوریوں کا کوئی سلسلہ چلا ہو؛ البتہ اکادکا کوئی حال و واقعہ بعض افراد کی جانب سے اس قسم کا پیش آیا، تو ان حضرات نے اس کا بھی سخت نوٹس لیا ہے۔ جس کی چند مثالیں ہمیں تاریخ و سیرت کے ذخیرے میں ملتی ہیں۔

متشابہات میں کلام کرنے والوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص صنیع بن عسل نامی مدینہ آیا اور قرآن کے متشابہات کے بارے میں سوال جواب کرنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا، تو اس کو بلوایا اور پہلے سے سمجھور کے چند شہنشاہ منگوار کھی تھیں، جب وہ آیا، تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ صنیع ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ عمر ہوں، پھر آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ اپنا سر کھول، پھر اس کے سر پر ان شہنشیوں سے مارنا شروع کیا؛ یہاں تک کہ اس کا

سر زخمی ہو کر خون بہنے لگا۔ اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! کافی ہے، جو کچھ دماغ میں میرے سایا تھا سب چلا گیا۔

(اعتقاد اہل السنۃ لایکافی: ۶۳۶/۳، الشریعۃ لکما جری: ۱/۱۷۱)

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت عمر ؓ نے اس کی پٹائی کی تو، اس کو اپنے وطن بصرہ جانے کی اجازت دی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کوئی مسلمان اس کے ساتھ مجاست و میل جول نہ رکھے۔ پس اس کا حال وہاں ایسا تھا، جیسے خارش والے اونٹ کا ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی حلقے میں جاتا، تو لوگ خارشی اونٹ کی طرح اس سے ڈر کر وہاں سے اٹھ جاتے اور اگر اس سے ناواقف لوگ ہوتے، تو دوسرے لوگ ان سے کہتے کہ حضرت عمر ؓ نے اس سے ملنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ سن کر لوگ متفرق ہو جاتے۔ جب اس کا حال درست ہو گیا اور اس نے توبہ کی، تو حضرت ابو موسیٰ ؓ نے حضرت عمر ؓ کو لکھا کہ اس کا حال درست ہو گیا ہے، تب حضرت عمر ؓ نے لوگوں کو اس سے میل جول کرنے کی اجازت دی۔

(ذم النکویٰ لابن قدامہ المقدسی: ۱۲۔ اعتقاد اہل السنۃ: ۶۳۶/۳۔ الاعتصام: ۵۵۲۔ عقیدۃ السلف للصاحبی: ۱۹۔)

اس واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ خیر القرون میں کسی معمولی قسم کی بدعت کے ساتھ بھی کیا سلوک کیا جا رہا ہے اور بدعتی ذہنیت والے سے کیا برتاؤ کیا جا رہا ہے اور یہ کہ عامۃ المسلمین کو ان سے دور و نفور رکھنے کی کیسی کوشش کی جا رہی ہے؟

حضرت عمر ؓ نے فتنے کے خوف سے درخت کٹوا دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوف فتنے سے حدیبیہ مقام کے ایک درخت کو کٹوا دیا تھا، جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے تحت حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ تبرک حاصل کرنے کے لئے ایک درخت کے پاس اس خیال سے جاتے اور نماز پڑھتے ہیں کہ اسی کے نیچے بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی، پس آپ ﷺ نے فتنے کے خوف سے اس درخت کو کٹوا دیا۔

(البدع لابن الوضاح: ۴۲۔ الاعتصام: ۳۳۶/۱۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منکر تقدیر کو تہدید

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ملک شام میں مقام جابیہ میں خطبہ دیا اور اس میں یہ کہا کہ: ”مَنْ يُضِلِّلِ اللَّهَ فَلَا هَادِيَ لَهُ“ (اللہ جس کو گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔) اور ترجمان اس کا ترجمہ کر رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ پر سننے والوں میں سے ایک شخص نے اعتراض کیا اور کہا کہ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ ترجمان نے بتایا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ ”تو نے غلط کہا: اے اللہ کے دشمن! بلکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا اور وہ تجھے گمراہ بھی کرے گا اور مارے گا اور اگر چاہے، تو تجھے جہنم رسید کرے گا۔ پھر فرمایا کہ اگر ہمارا معاہدہ نہ ہوتا، تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔“

(القضاء والقدر للہجوتی: ۳۷/۱۔ اعتقاد اہل السنۃ لکافی: ۶۶۰/۱۔ الاہامۃ الکبریٰ

لابن بطہ: ۱۲۹/۴۔ القدر للفریابی: ۴۳۔ القدر للقرشی: ۱۱۳۔)

مدعیان حلول کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلانے کی سزا دی

جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعہ کے ایک گروہ

نے جو سبائی کہلاتے تھے، غلو کیا؛ یہاں تک کہ ان میں خدا کے حلول کر جانے کا عقیدہ بنالیا، تو حضرت علی ؓ نے ان کو آگ میں جلا دیا تھا۔ جس کا ذکر متعدد کتب تاریخ میں موجود ہے۔

علامہ ابن حجر رحمہم اللہ نے فتح الباری میں امام ابو طاہر المخلص کی مجالس کے حوالے سے لکھا ہے کہ شریک العامری نے بیان کیا کہ حضرت علی ؓ سے کہا گیا کہ یہاں مسجد کے دروازے پر کچھ لوگ ہیں، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ان کے رب و خدا ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو بلایا اور پوچھا کہ تمہارا رُبرُا ہو، تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے رب و خالق و رازق ہیں۔ آپ ؓ نے فرمایا کہ تمہارا رُبرُا ہو، میں تو تم جیسا ایک بندہ ہوں، تم جیسا کھاتے ہو، میں بھی کھاتا ہوں اور تم جیسا پیتے ہو میں بھی پیتا ہوں۔ اگر میں اللہ کی فرمانبرداری کروں، تو وہ چاہے تو مجھے ثواب دے گا اور اگر نافرمانی کروں، تو مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب میں گرفتار کر دے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور واپس ہو جاؤ؛ مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا۔ اور جب دوسرا دن ہوا، تو صبح صبح پھر آ گئے۔ حضرت علی ؓ کے غلام قنبر نے کہا کہ وہ لوگ وہی بات کہتے ہوئے آئے ہیں۔ آپ ؓ نے پھر ان کو اپنے پاس بلایا اور وہی باتیں کیں، جو کل فرمائی تھیں۔ پھر تیسرا دن ہوا، تو آپ ؓ نے ان سے کہا کہ اگر تم نے وہی بات کہی، تو میں تم کو بُری طرح قتل کر دوں گا؛ مگر اس کے باوجود انہوں نے وہی بات کہی، تو حضرت علی ؓ نے قنبر سے فرمایا کہ کچھ مزدوروں کو پھاؤڑوں کے بلاؤ۔ پس ان کو مسجد اور قصر شاہی کے درمیان خندقیں کھودنے کا حکم دیا، پھر کڑیاں منگوائیں اور خندقوں میں ان کو آگ لگا کر ڈلوایا اور ان لوگوں سے کہا کہ میں تم کو اس میں ڈالدوں گا یا نہیں تو تم لوگ باز

آجاؤ۔ انہوں نے باز آنے سے انکار کیا، پس آپ ﷺ نے ان کو ان خندقوں میں پھینک دیا؛ یہاں تک کہ وہ جل گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ نے اس کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کی سند حسن درجے کی ہے۔

(فتح الباری: ۱۳/۲۷۰۔)

اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک بدترین بدعتی فرقے کے تعلق سے، جو خدا کے حضرت علی میں حلول کا عقیدہ رکھتا تھا، انتہائی سخت اقدام کا ذکر آیا ہے۔

خوارج سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فرقہ خوارج کا وجود ہوا، جس کے نظریات متعدد عقائد میں اہل سنت سے مختلف تھے اور وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ بے شمار صحابہ کی تکفیر کرتے تھے اور اپنی اس غلط تشریح کو حق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و دیگر مانی تشریح کو توہم کر رہے تھے اور اپنی اس غلط تشریح کو حق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تشریحات کو غلط قرار دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اولاً حضرت ابن عباس کو ان سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا، پھر خود ان کے اہم لوگوں کو بلا کر ان سے بحث فرمائی؛ مگر وہ لوگ اپنی ہی بات پر اٹل رہے اور تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہوئے ان کے مال و موسیٰبی لوٹنے لگے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور ان کے ساتھ سخت روش اختیار فرمائی۔ جس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے۔

(دیکھو: الکامل لابن الاثیر: ۸۳/۲-۸۶۔ تاریخ الطبری: ۳/۱۲۰-۱۲۱۔ تاریخ

ابن خلدون: ۲/۱۸۰-۱۸۱۔ الہدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۷/۳۱۹-۳۲۰۔ البدء والتاریخ لابن

ظاہر المقدی: ۱/۳۲۳۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قدریہ فرقے سے اعلانِ برأت

حضرت یحییٰ بن یسر رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ ایک قوم عراق میں پیدا ہو گئی ہے، جو قرآن پر حقیقی اور سمجھتی ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ

” إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَقُولُوا : إِنَّ ابْنَ عُمَرَ بَرِيٌّ مِنْهُمْ ، وَ
أَنْهُمْ مِنِّي بَرَاءٌ “ (اگر تم ان سے ملو، تو کہہ دینا کہ ابن عمر ان سے
بری ہے اور وہ ابن عمر سے بری ہیں۔)

(الشریعہ للامام جری: ۱/۳۸۱۔ اعتقاد اہل السنۃ للامام کاف: ۵۸۶، ۳۔ الایمان لابن ابی
شیبہ: ۱۱۸۔ الاعتقاد للشیخ قسطلانی: ۱۳۳۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جبریہ فرقے سے اختلاف

جب اموی دور کی ابتداء میں جبریہ فرقے کا وجود ہوا، تو حضرت عبداللہ ابن
عباس رضی اللہ عنہما نے شام کے جبریہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک خط تحریر کیا، جس کا
خلاصہ یہ تھا کہ

” تم لوگ دوسروں کو تقویٰ کا حکم دیتے ہو؛ حالانکہ صاحب تقویٰ
تمہاری وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ لوگوں کو برائیوں سے روکتے ہو اور گنہگار
تمہاری وجہ سے غالب ہو گئے، اے جنگجو لوگوں کے بیٹو! اے ظالموں
کے مددگارو! اور اے بدکاروں کی مساجد کے ترجمانو! اے شیطان
صفت لوگوں کے آباد کارو! تم سب اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے اپنے

جرم اس پر لادتے اور علانیہ اس کی جانب منسوب کرتے ہو۔ تلواریں تمہارے گلے کا طوق اور خدا پر افترا پر دازی تمہاری گواہی، کیا اسی پر تم نے ایک دوسرے سے دوستی کی ہے اور اسی پر کیا تم نے ایک دوسرے کی بددکی ہے؟ اس میں تمہارا خوب و بڑا حصہ ہے، تم نے ان لوگوں کی جانب میلان کیا ہے، جو نہ ہی اللہ کے مال کو چھوڑتے ہیں اور نہ کسی شعرا اسلام کو توڑے بغیر رہتے ہیں اور نہ کسی یتیم کا مال ہڑپ کئے بغیر یا اس میں خیانت کا ارتکاب کئے بغیر رہتے ہیں۔ اللہ کا سب سے بڑا حق تم نے سب سے خبیث ترین مخلوق کے لئے مانا اور اہل حق کی مدد سے جی چرانے لگے؛ یہاں تک کہ وہ کم و حقیر ہو گئے۔ اور اہل باطل کی تم نے بددکی، جس سے وہ باعزت ہو گئے اور بڑھ گئے، پس تم لوگ اللہ کی جانب توجہ کرو اور توبہ کرو۔ اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، جو اس کی جانب آکر توبہ کرتا اور اس کی قبول کرتا ہے، جو اس کی جانب توجہ کرتا ہے۔

(المنیۃ والاول: ۲۰۔ ابو حنیفہ: حیاتہ وعصرہ و آراءہ و فہمہ لابی زہرہ)

(۱۵۸-۱۵۷)

بدعتی لوگوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رویہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں تاریخ کے اوراق نے یہ شہادت دی ہے کہ وہ بدعت و بدعتیوں کے خلاف کسی نرم گوشہ رکھنے کے روادار نہیں تھے؛ بلکہ ان کا موقف اس سلسلے میں نہایت سخت تھا۔

دارمی نے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے مسجد میں ایک بات ایسی دیکھی، جو مجھے بری و منکر معلوم ہوئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کیا بات تھی؟ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، ان کے بیچ ایک شخص ہے اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، وہ شخص ان سے کہتا ہے کہ سو دفعہ اللہ اکبر کہو، تو وہ لوگ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ لا الہ الا اللہ کہو، تو وہ لا الہ الا اللہ سو دفعہ پڑھتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ لوگ سو دفعہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پھر آپ ﷺ نے ان سے کیا کہا؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ کے حکم کے انتظار میں کچھ نہیں کہا، پھر آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان لوگوں سے فرمایا کہ ما هذا الذي اراكم تصنعون؟ کہ یہ کیا ہے، جو میں تمہیں کرتے دیکھ رہا ہوں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم اللہ کا ذکر و شہج و تہلیل کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے گناہ ان کنکریوں پر شمار کرو، میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہ ہوں گی۔ پھر فرمایا کہ اے امت محمدیہ! تمہارا بھلا ہو، کس قدر جلد تم ہلاک ہوئے؛ جبکہ ابھی تم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کثرت سے موجود ہیں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن ابھی تک نہیں ٹوٹے۔ اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے!

یا تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بھی زیادہ ہدایت والے راستے پر ہو یا یہ کہ تم نے گمراہی کا دروازہ کھول دیا ہے۔

(سنن داری: رقم حدیث: ۲۰۴۔ المسند الجامع: ۹۴۳۳۔ تاریخ

واسطی: ۱۹۸۰-۱۹۹۰۔)

ابن وضاح نے ”البدع والنہی عنہا“ میں عبدالواحد بن صبرہ سے روایت

کیا ہے کہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ عمرو بن عقبہ اور ان کے ساتھیوں نے کوفے میں ایک مسجد بنائی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو منہدم کرنے کا حکم دیا اور وہ منہدم کر دی گئی، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ کوفے کی مسجد کے ایک کونے میں جمع ہو کر مقررہ تعداد میں تسبیح و تہلیل کرتے ہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ٹوپی پہنی، پھر تشریف لے گئے اور ان میں جا کر بیٹھ گئے اور جب یہ معلوم کر لیا کہ وہ لوگ کیا پڑھتے ہیں، تو اپنی ٹوپی اتاری اور فرمایا کہ کیا تم صحابہ سے بھی علم میں بڑھ گئے ہو یا یہ کہ تم نے بدعت جاری کر لی ہے؟ پھر اخیر میں فرمایا کہ اگر تم نے قوم صحابہ کی اتباع کی، تو بہت آگے بڑھ جاؤ گے اور اگر تم دائیں بائیں مڑتے رہے، تو بہت دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

(البدع لابن وضاح: رقم: ۹)

اسی طرح ایک مرتبہ رات میں لوگوں کے سو جانے کے بعد اعلان ہوا کہ جو شخص بھی مسجد اعظم میں نماز پڑھے گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یہ سن کر لوگ،

کیا مرد، کیا عورتیں سب نکل پڑے، یہاں تک کہ مسجد پر ہو گئی اور لوگ نماز پڑھنے لگے۔ حضرت ابن مسعود کے پاس لوگ آئے اور کہا گیا کہ لوگوں کی خبر لیجئے؟ پوچھا کہ کیا ہوا؟ بتایا گیا کہ یہ صورت حال ہے، تو آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور اپنے کپڑے سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا برا ہو، یہاں سے نکلو اور خود کو تکلیف میں نہ ڈالو، یہ تو شیطان کی پکار ہے۔ اور دیکھو تمہارے نبی ﷺ کے بعد نہ کوئی کتاب نازل ہوئی اور نہ ہوگی۔

(البدع لابن وضاح، رقم: ۸)

ان روایات سے حضرت ابن مسعود ﷺ جیسے صحابی کا سخت رویہ و شدید طرز عمل بدعت و بدعتیوں کے بارے میں واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت ابویوب انصاری ﷺ کی مروان بن الحکم کو تنبیہ

اور حضرت ابویوب انصاری کے بارے میں محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مروان بن الحکم کی نماز کے بارے میں مخالفت کی، مروان نے کہا کہ آپ ﷺ کو یہ مخالفت کیوں سوجھتی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نمازیں پڑھتا دیکھا ہے، پس اگر تم نے اس کی موافقت کی، تو میں بھی تمہاری موافقت کروں گا اور اگر تم نے اس کی مخالفت کی، تو میں بھی تمہاری مخالفت کروں گا۔

(طبرانی فی الکبیر: ۳۸۹۵)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا جبریہ فرقے کے نام خط

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے بصرے کے جبریہ کو ایک خط لکھا تھا،

جس میں آپ نے فرمایا کہ

”جو شخص اللہ پر، اس کی قضا و تقدیر پر ایمان نہ لائے، وہ کافر ہے اور جو اپنے گناہوں کو اللہ پر تھوپے، وہ بھی کافر ہے، اللہ کی نہ تو جبراً اطاعت کی جاتی ہے اور نہ کسی سے مغلوب ہو کر اس کی نافرمانی کی جاتی ہے؛ اس لئے کہ مالکِ حقیقی نے مالک بنا دیا ہے اور جو قدرت اس (انسان) میں پائی جاتی ہے، وہ اسی کو ودیعت کرتا ہے۔ اگر وہ نیک اعمال انجام دیں، تو ان کے افعال میں مداخلت نہیں کرتا اور اگر معصیت کا ارتکاب کریں، تو وہ ان کے افعال میں مغل ہو سکتا ہے؛ اگر اس کی مشیت کا تقاضا ہو۔ جب وہ کچھ نہیں کرتے، تو یہ معنی نہیں کہ انھیں خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ اور اگر خدا مخلوقات کو اطاعت پر مجبور کرتا، تو ثواب کو ساقط کر دیا ہوتا اور اگر جبراً گناہوں پر مجبور کرتا، تو سزا کو موقوف کر دیتا اور اگر بیکار چھوڑ دیتا، تو اس کی عدم قدرت کی دلیل ہوتی؛ بلکہ مخلوقات کے بارے میں اس کی خاص حیثیت ہے، جسے اس نے ان سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ اگر وہ نیک اعمال کریں، تو یہ خدا کا احسان ہے؛ اگر وہ معصیت کا شیوہ اختیار کریں، تو اس کی جہت ان پر تمام ہو جاتی ہے۔

(المنیۃ والاول: ۲۴۔ ابو حذیفہ؛ حیات و عصرہ و آراءہ، دفتہ لابی زہرہ: ۱۵۷-۱۵۸۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ترک سنت پر تنبیہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ عید کے دن نماز پر خطبے کو مقدم کرنے والا سب سے پہلا شخص مروان بن الحکم ہے، جب اس نے عید میں

پہلے خطبہ پڑھا، تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”خالفت السنۃ“ کہ تو نے سنت کی خلاف ورزی کی۔ مروان نے کہا کہ اس وقت جو بات تھی وہ متروک ہو گئی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ موجود تھے، انھوں نے کہا کہ اس شخص پر جو ذمہ داری تھی، وہ اس نے پوری کر دی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے، وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے؛ اگر اس قدر طاقت نہ ہو، تو زبان سے روکے؛ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو، تو دل سے بُرا جانے، یہ سب سے کمتر درجہ کا ایمان ہے۔

(مسلم: ۱۸۶۔ ابوداؤد: ۱۱۳۲۔ ترمذی: ۲۱۷۴۔ ابن ماجہ: ۱۲۷۵۔ احمد: ۱۸۰۸۸۔

البدایہ والنہایہ: ۲۸۳/۸۔)

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کی حجاج بن یوسف کو تنبیہ

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرات تابعین و بعد کے اسلاف کی زندگیوں سے چند مثالیں لیجئے: حجاج بن یوسف جو کہ بڑا ظالم حکمران تھا، وہ ایک دفعہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے بازو نماز کے لئے کھڑا ہو گیا اور یہ اس کے امارت کو سنبھالنے سے پہلے کا واقعہ ہے، وہ نماز میں امام سے پہلے سجدہ میں چلا جاتا اور امام سے پہلے سر اٹھا لیتا، جب نماز ہو گئی، تو حضرت سعید نے اس کی چادر کا ایک کنارہ پکڑ لیا اور اپنا وظیفہ پڑھتے رہے اور وہ اپنی چادر چھڑانے کی کوشش کرتا رہا، جب وہ اپنا وظیفہ پورا کر چکے، تو اس سے کہا کہ اے نماز میں چوری کرنے والے! اے نماز میں خیانت کرنے والے! اس طرح کی نماز پڑھتا ہے؟ میرا تو یہ خیال ہو گیا تھا کہ جوتے سے تیرے منہ پر ماروں۔ حجاج نے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر وہ حج کے لئے چلا

گیا اور وہاں سے شام کو چلا گیا اور حجاز کا گورنر ہو کر آیا۔ اور جب ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہو گئی، تو وہ مدینہ کا بھی گورنر ہو گیا، اور مدینہ میں مسجد نبوی کو آیا۔ وہاں حضرت سعید بن المسیب کی مجلس لگی ہوئی تھی، تو حجاج ان کی جانب آیا، تو لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں حضرت سعید کو یہ تکلیف نہ پہنچائے، پس وہ آیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ کیا تم ہی نے یہ کلمات کہے تھے؟ تو حضرت سعید نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: ہاں! تو حجاج نے کہا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ بہترین معلم و مربی ہو۔ میں جب بھی نماز پڑھتا ہوں تو آپ کا یہ قول یاد کرتا ہوں، یہ کہہ کر چلا گیا۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۱۳۹/۹۔ مختصر تاریخ دمشق: ۲/۳۴۳۔)

ریشمی چادر پر امیر افرم کو ایک عالم کی تنبیہ

علامہ زین الدین عبد اللہ بن مروان الفاروقی۔ جو امام نووی کے بعد دار اللہ یث الاشرافیہ کے متولی تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا خاص ذوق رکھتے تھے اور اس سلسلے میں کسی مداخلت کے روادار نہیں تھے، ان کے بارے میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

ایک بار دمشق کے امیر افرم کو دیکھا کہ وہ ریشمی قبا، اور چاندی کی انگوٹھی پہنا ہوا ہے اور سونے کی دوات اس کے پاس ہے۔ آپ نے امیر سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا، تو میرے پاس کوئی حجت ہے؟ اگر اللہ نے فرمایا کہ تم نے کیوں اس کو یہ نہ کہا کہ یہ بالا جماع حرام ہے؟ یہ کہہ کر خود رونے لگے، حاضرین اور

افرم کو بھی رونا آگیا۔ اور اس نے جلدی سے ان چیزوں کو نکال دیا۔

(الدرر الکامہ لابن حجر: ۲۹۰/۱۔)

امام احمد رحمہ اللہ اور مسئلہ خلق قرآن

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نام کون نہیں جانتا؟ آپ ایک جانب علم حدیث و فقہ میں اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے، تو دوسری طرف زہد و ورع میں بھی بے مثال تھے، نیز حق گوئی و بے باکی، مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت میں بھی آپ ایک بے نظیر شخصیت کے مالک تھے؛ اسی لئے آپ کو امام اہل سنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں، اس دور میں امت مسلمہ میں متعدد قسم کے فتنوں نے جنم لیا ہوا تھا: ایک جانب بادشاہ وقت کی طرف سے یونانی و ہندی و رومی فلسفے کی کتابوں کے تراجم کرائے جا رہے تھے، جن سے ملت اسلامیہ میں غیر اسلامی فلسفے کا رواج ہونے لگا، دوسری طرف عوام الناس میں بدعات و غیر اسلامی عقائد رواج پانے لگے، جس کی وجہ دراصل رافضیہ و شیعہ و معتزلہ و غیرہ فرق باطلہ کا تسلط تھا، بالخصوص فرقہ معتزلہ کو سرکاری سرپرستی مل جانے کی وجہ سے ان کا اثر و رسوخ کافی حد تک بڑھ گیا تھا۔ اور اسی زمانے میں ان لوگوں نے خلق قرآن کا عقیدہ گھڑ کر لوگوں کو ایک نئے فتنے میں مبتلا کر دیا تھا۔

سب سے پہلے مسئلہ خلق قرآن کا نظریہ بشر بن خیاث المریسی نے امیر المؤمنین ہارون الرشید کے زمانہ خلافت میں گھڑا تھا اور ہارون الرشید نے اس کے قتل کا عزم کر لیا تھا؛ لیکن بشر بیس سال تک روپوش رہا۔ ہارون کے بعد امین کے زمانے میں بھی معاملہ اہل سنت کے مطابق جاری رہا اور جب مامون کی خلافت کا دور آیا، تو

معتزلہ نے اس سے قربت پا کر اس کا ذہن خراب کیا اور اس کو اپنا جمنوا بنا لیا اور مامون نے لوگوں کو اس عقیدہ کے ماننے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔

مامون الرشید نے امتحان کے طور پر اپنے بغداد کے کوتوال اسحاق بن ابراہیم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہاں کے اہل علم کو بلا کر اس سلسلے میں ان کو مجبور کرو۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اسحاق نے بلایا۔ جب ہم گئے تو اس نے امیر المؤمنین کا خط پڑھ کر سنایا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھا جائے اور جن جن لوگوں نے اس سے انکار کیا، ان کو محبوس کر دیا گیا۔ جب یہ صورت لوگوں نے دیکھی، تو سوائے چار کے سب نے اس کی بات کو قبول کر لیا: ایک امام احمد، دوسرے محمد بن نوح، تیسرے عبید اللہ بن عمر القواریری اور چوتھے حسن بن حماد رحمہم اللہ پھر ان میں سے بھی آخری دو حضرات نے اس کی بات قبول کر لی اور صرف امام احمد و محمد بن نوح رحمہم اللہ قید میں رہ گئے۔

پھر ان حضرات کو بادشاہ نے اپنے پاس جھکڑیاں ڈلو کر بلایا، ابو معمر القطعی کہتے ہیں کہ ”لما حضرنا دار السلطان أيام المحنة و كان ابو عبد الله احمد بن حنبل قد احضر و كان رجلا لنا، فلما رأى الناس يجيئون انتفخت أوداجه و احمرت عيناه“ (امام احمد بہت نرم طبیعت کے آدمی تھے؛ لیکن جب ہم شاہی محل پہنچے اور وہاں امام احمد نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک غلط نظریہ و عقیدے کو قبول کرتے جا رہے ہیں، تو غصہ کے مارے ان کے رگیں پھول گئیں اور ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔)

حضرت ابو جعفر الانباری کہتے ہیں کہ جب امام احمد کو مامون کے پاس لے جایا جا رہا تھا اور مجھے اس کی خبر ہوئی، تو میں نے ان سے ملنے دریائے فرات کو عبور کیا۔

آپ وہاں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے سلام کیا، تو آپ نے کہا کہ ابو جعفر! تم نے بڑی تکلیف اٹھائی؟ میں نے عرض کیا کہ یہ کوئی تکلیف نہیں، پھر میں نے کہا کہ آج آپ لوگوں کے سردار ہیں، لوگ آپ کی اقتداء کرتے ہیں، قسم بخدا! اگر آپ نے خلقِ قرآن کے مسئلہ میں حکومت کی بات مان لی، تو اس میں بھی بہت سے لوگ آپ کی اقتداء کریں گے اور اگر آپ نے ان کی بات قبول نہیں کی، تو آپ کی اقتداء میں بہت سے لوگ اس سے بچے رہیں گے۔ اس کے ساتھ ایک بات سن لیں کہ اگر بادشاہ نے آپ کو قتل نہیں کیا۔ تب بھی ایک نہ ایک دن آپ کو مرنا ہی ہے، لہذا آپ اس کی بات قبول نہ کریں۔ یہ سن کر امام احمد روئے لگے اور کہا کہ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ پھر فرمایا کہ ایک بار پھر تمہاری بات کو دہراؤ۔ میں نے دوبارہ ان کے سامنے میری بات دہرا دی۔

اسی دوران مامون کا انتقال ہو گیا اور ان حضرات کو قید خانے کے حوالے کر دیا گیا اور اذیت دی جاتی رہی۔ اور پھر معتصم کا دور آیا اور اس میں بھی آپ کی آزمائش ہوئی، معتزلی علماء سے مناظرے ہوئے، آپ سے معتصم کی جانب سے کہا گیا کہ اگر ہماری بات قبول نہیں کی، تو مسلسل چٹائی کی جائے گی اور ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا، جہاں سورج کی شعاعیں بھی نہ پہنچ سکیں گی۔ اور اگر قبول کر لیا، تو بادشاہ خود قید کی بیڑیاں اپنے ہاتھ سے کھول کر اعزاز و اکرام سے نوازے گا۔

لیکن کسی بھی صورت میں آپ کے پائے استقلال میں تزلزل نہیں آیا، تو معتصم نے کوڑے لگوائے، اس نے کوڑے لگانے کا حکم دیا اور کئی جلاوٹوں کو بلایا اور ہر ایک جلاوٹ سے دو دو کوڑے لگواتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ خوب ختی کرو، خوب ختی کرو، امام احمد کہتے ہیں کہ جب انیس کوڑے مجھے لگائے گئے تو معتصم کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے

احمد! تم کیوں خود کو قتل کراتے ہو؟ مجھے تم پر بڑا رحم آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس موقع پر عجیب مجھے تلوار کی نوک چبھونے لگا اور کہنے لگا کہ کیا تو سب لوگوں پر غالب آنا چاہتا ہے؟ اور بعض کہنے لگے کہ تیرا برا ہو، خلیفہ تیرے سر کے پاس کھڑے ہیں۔ کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین! اس کا خون تو میرے قبضے میں ہے، میں اس کو قتل کر دیتا ہوں۔ بعض نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ تو روزے سے ہیں اور سورج میں کھڑے ہیں۔ مقتحم نے کہا کہ اے احمد! کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ کتاب اللہ و سنت رسول سے دلیل لاؤ، میں مان لوں گا۔ پھر جلا دے کہا کہ آگے بڑھ کر خوب مار۔ اور یہی سلسلہ مار و آزمائش کا برابر جاری تھا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ پھر تو میرے ہوش ہی اڑ گئے، جب ہوش آیا، تو دیکھا کہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ پھر ستولا کر کہا گیا کہ افطار کرو۔ میں نے کہا کہ میں افطار نہیں کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کو پہلا کوڑا لگایا گیا، تو فرمایا: بسم اللہ۔ جب دوسرا لگایا تو کہا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور جب تیسرا لگایا، تو کہا: القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔ اور چوتھا لگایا، تو فرمایا کہ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ انہیں کوڑے لگائے گئے۔ آپ کے سروال کھل کر گر نے لگی، آپ نے سر آسمان کی جانب اٹھایا اور اپنے لبوں کو حرکت دی، پس فوراً سروال رک گئی۔ حضرت میمون بن ابی صخر۔ جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے سات روز بعد آپ کے پاس گیا اور پوچھا کہ آپ نے آسمان کی جانب سر اٹھا کر زبان سے کیا کہا تھا؟ فرمایا کہ میں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! میں تیرے اس نام سے دعا کرتا ہوں۔ جس نے تیرے عرش کو بھردیا ہے کہ اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ میں حق پر ہوں تو میرا ستر نہ کھل جائے۔

الغرض یہ قید و جبر اور ابتلا کا سلسلہ اٹھائیس ماہ تک جاری رہا، پھر آپ کو چھوڑ دیا گیا۔

مروزی کہتے ہیں کہ جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر ابتلاء کا دور چل رہا تھا میں ان کے پاس گیا اور عرض کیا کہ استاذ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ“، فرمایا کہ مروزی! ذرا باہر جا کر دیکھو کیا نظر آتا ہے؟ کہتے ہیں کہ میں باہر گیا، تو دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے، جن کی تعداد اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم۔ ان کے ہاتھوں میں کاپیاں اور قلم و دوات ہیں۔ مروزی نے ان سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہتے ہو؟ لوگ کہنے لگے کہ ہم انتظار کر رہے ہیں کہ احمد کیا کہتے ہیں؛ تاکہ ہم اس کو لکھ لیں۔ مروزی نے ان سے کہا کہ یہیں ٹھہرے رہو، پھر وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور آپ کو یہ صورت حال بتائی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اے مروزی! کیا میں ان سب کو گمراہ کر دوں؟ میں قتل ہو جاؤں گا، لیکن ان کو گمراہ ہونے نہیں دوں گا۔

(امام احمد کے ابتلاء کی تاریخ کے لئے دیکھئے: اکمل لابن الاثیر: ۱۷۹/۳۔ البدایہ والنہایہ: ۲۳۰/۱۰-۲۳۷۔ مناقب الامام احمد لابن الجوزی: ۴۱۶-۴۸۰۔)

علامہ عزالدین رحمۃ اللہ علیہ اور صدائے حق

شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام اپنے وقت کی ایک باوقار عظیم علمی و روحانی شخصیت ہیں۔ جنہوں نے ایک جانب درس و تدریس کا منصب سنبھالا تھا، تو دوسری جانب امامت و خطابت کی عظیم و نازک ذمہ داری کو بھی نبھایا تھا۔ جب آپ جامع اموی دمشق میں منصب خطابت و امامت کے منصب پر فائز تھے، آپ کے ذریعہ وہاں رائج بہت ساری بدعات و خرافات کا قلع قمع ہوا۔ صلاة الرغائب و نصف

شعبان کی بدعات کا ازالہ ہوا، ان کے ازالے کے لئے آپ نے ان امور بدعیدہ کی کھل کر مخالفت کی۔

(دیکھو: طبقات الشافعیہ: ۱۱۰/۲۔ مرآۃ الجنان للیانعی: ۱۹۸/۲۔ وشمذرات الذہب: ۳۰/۵۔)

امام عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے حالات میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں، جو ان کی حق گوئی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر والے وصف کی نشاندہی کرتے ہیں۔

آپ کی حق گوئی و بے باکی اور اس سلسلے میں کسی مداخلت کو روانہ رکھنے کے بارے میں ایک واقعہ وہ ہے، جو متعدد اہل تاریخ نے رقم کیا ہے اور جس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ

”الملک الاشرف کے جانشین صالح اسماعیل (ابوالخوش) نے الملک الصالح نجم الدین ایوب بادشاہ مصر کے مقابلے میں (جس کے شام پر حملے کا خطرہ تھا) فرنگیوں سے مدد چاہی اور حق الجذمت کے طور پر شہر صیدا وثقیف اور چند قلعوں کا پروانہ لکھ دیا، اس دوستانہ تعلق کی بنا پر فرنگی اتنے بے تکلف ہو گئے کہ دمشق میں آکر ہتھیار خریدتے۔ شیخ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہوا کہ فرنگی مسلمانوں کے شہر میں آکر ان سے ہتھیار خرید کر مسلمانوں کی گردنوں پر چلائیں۔ تاجرانِ اسلحہ نے شیخ سے فتویٰ پوچھا، شیخ نے صاف کہا کہ فرنگیوں کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا حرام ہے؛ اسلئے کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ تمہارے مسلمان بھائیوں کے خلاف کام آئیں گے، شیخ کی طبیعت پر بادشاہ کی اس بے

حمیت اور اسلام کی اس ذلت و بے بسی کا بڑا اثر تھا۔ انہوں نے بادشاہ کے لئے خطبہ میں دعاء ترک کر دی، اس کے بجائے وہ منبر پر دونوں خطبوں سے فارغ ہو کر بڑے جوش کے ساتھ دعاء کرتے تھے کہ الہی! اسلام و حامیان اسلام کی مدد و نصرت فرما اور ملحدین و دشمنان دین کو ذلت و کبکٹ نصیب فرما اور تمام مسلمان بڑے رقت و اثر کے ساتھ آمین کہتے تھے۔ حکومتی آدمیوں نے بڑھا چڑھا کر سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ شیخ کی گرفتاری کا فرمان صادر ہوا، شیخ ایک عرصہ تک محبوس رہے، کچھ عرصے کے بعد وہ دمشق سے بیت المقدس منتقل کئے گئے، اسی اثناء میں سلطان صالح اسماعیل الملک المنصور والی حمص اور سلاطین فرنگ اپنے افواج و عساکر کے ساتھ مصر کے ارادے بیت المقدس آئے۔ صالح اسماعیل کے دل میں شیخ عزالدین کی ناراضگی برابر کھلکتی رہتی تھی اور اس کو اس کی فکر تھی، اس نے اپنے عمائد و خواص میں سے ایک شخص کو اپنا رومال دیا اور کہا کہ یہ رومال شیخ کی خدمت میں پیش کرنا اور انتہائی خوشامد و استمالت کے ساتھ ان سے کہنا کہ سابقہ خدمات و مناصب پر آپ پورے اعزاز کے ساتھ واپس آ سکتے ہیں؛ اگر وہ منظور فرمائیں، تو میرے پاس لے آنا؛ اگر منظور نہ کریں، تو میرے خیمے کے پہلو میں دوسرے خیمے میں ان کو محبوس کر دینا۔ امیر نے شیخ سے بڑی خوشامد نہ باتیں کیں اور ان کی عزت و تکریم اور ان کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور آخر میں کہا کہ آپ ذرا کے ذرا بادشاہ سے نیاز مندانہ مل لیں۔ اور اس کی دست بوسی کر لیں، تو یہ قصہ رفع دفع ہو جائے گا اور آپ اضافہ و ترقی کے ساتھ اپنے سابقہ عہدوں پر واپس آ جائیں

گے۔ شیخ نے اس کا جو جواب دیا، وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔
انہوں نے فرمایا کہ

واللہ یا مسکین! ما أَرْضَاهُ أَنْ يَقْبَلَ بَدِي فَضْلًا عَنْ
أَقْبَلَ بَدِي، يَا قَوْمُ! انتم فی واد و أنا فی واد ، والحمد لله
الذی عافانی مما ابتلاکم به .“

(طبقات الشافعیہ: ۱۵: ۱۰۱۔)

(ارے ناداں! میں تو اس کا بھی روادار نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے! چہ جائیکہ میں اس کی دست بوی کروں۔ لوگو! تم کسی اور عالم میں ہو اور میں کسی اور عالم میں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس سے آزاد ہوں جس میں تم گرفتار ہو۔)

یہ جواب سن کر امیر نے کہا کہ پھر مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو گرفتار کر لوں۔ شیخ نے کہا: شوق سے جو کچھ تم سے ہو سکے، اس سے دریغ نہ کرو۔ امیر نے ان کو بادشاہ کے خیمہ کے پہلو دوسرے خیمہ میں رکھا۔ شیخ اپنے خیمہ میں قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے اور بادشاہ اپنے خیمہ کے اندر سنتا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے فرنگی بادشاہ سے کہا کہ تم شیخ کو قرآن پڑھتا ہوا سنتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں!، کہا جانتے ہو؟ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا پادری ہے۔ میں نے اس کو اس لئے قید کیا ہے کہ وہ تم کو مسلمانوں کے قلعہ پر در کرنے کے خلاف تھا اور اس پر معترض تھا۔ میں نے اس کو دمشق کی خطابت اور دوسرے منصوبوں سے معزول کیا اور اس کو دمشق سے شہر بدر کر دیا۔ اب میں نے تمہاری خاطر پھر اس کو قید کر دیا ہے۔ عیسائی بادشاہوں نے کہا کہ اگر یہ ہمارا پادری ہوتا، تو ہم اس کے پاؤں دھو کر پیتے۔

اسی عرصہ میں مصری افواج آئیں صالح اسماعیل کو شکست ہوئی، فرنگی فوج قتل و

غارت ہوئیں اور شیخ صحیح و سلامت مصر روانہ ہو گئے۔ راستے میں جب کرک کی ریاست سے گزرنا ہوا، تو والی کرک نے قیام کی درخواست کی۔ فرمایا کہ تمہارا یہ مختصر شہر میرے علم کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

(تاریخ دعوت و عزیمت: ۲۹۱/۱-۲۹۳)

امام علی المقتفی و علامہ طاہر ثقفی کی مہدویت کے خلاف جدوجہد

محدث امام علی المقتفی صاحب ”کنز العمال“ کے دور میں ہجرات خاص طور پر مہدویت کا گڑھ بنا ہوا تھا، جس کے ماننے والے مہدوی کہلاتے اور یہ فرقہ بہت سے عقائد میں اہل سنت سے الگ اپنی ایک پہچان و شناخت رکھتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ علماء حق کے خلاف بغض و عداوت کی وجہ سے ان کے قتل کے درپے رہتا تھا۔ امام علی المقتفی نے اولاً اس فرقے کے بارے میں تحقیق کی اور علماء ہند کے علاوہ علماء حرمین شریفین سے بھی معاملے کی تحقیق کی اور جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ فرقہ گمراہ ہے، تو اس کے خلاف آپ نے آواز اٹھائی اور دو عالمانہ و فاضلانہ رسالے اس کے رد میں تحریر فرمائے: ایک ”البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان“ اور دوسرا: ”الرد علی من حکم و قضی أن المہدی جاء و مضی“۔ نیز آپ نے علماء مکہ المکرمہ سے اس فرقے کے بارے میں فتاویٰ حاصل کئے اور اپنی کتاب ”البرہان“ میں شامل فرمایا۔

اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہجرات کے علاقے سے مہدیوں کو خروج کر کے ہندوستان کے دوسرے علاقوں بالخصوص دکن و حیدرآباد میں بود و باش اختیار کرنا پڑا۔ اور پھر آپ رحمہ اللہ کے بعد آپ کے شاگرد رشید علامہ طاہر

پٹنی رحمہ اللہ صاحب ”مجمع بحار الانوار“ و ”مذکرۃ الموضوعات“ نے ان کا مقابلہ کیا؛ کیونکہ جب والی گجرات سلطان محمود ثانی کا ایک سازش کے تحت انتقال ہو گیا، تو اس فرقے نے دوبارہ اپنی منتشر صفوں کو ترتیب دینا اور اہل اسلام کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی اور ان کے داعی مولانا عبد الرشید گجراتی نے ان کی سربراہی کی اور دکن و حیدرآباد کی جانب کوچ کر جانے والے بھی پھر یہاں جمع ہونے لگے؛ یہاں تک کہ اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے والی پٹنہ شیر خان فولاوی کو بھی ان لوگوں نے مہدوی بنادیا اور اس طرح گجرات میں مہدوی حکومت قائم ہو گئی اور اہل اسلام کو قتل کرنے لگے۔ یہ صورت حال دیکھ کر علامہ طاہر پٹنی نے ایک جانب عامۃ المسلمین کو اس فرقے کے عقائد باطلہ سے روشناس کرانے کے لئے دروس کا سلسلہ جاری کیا، تو دوسری جانب حکام وقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا؛ بلکہ ایک رسالہ ”نصیحۃ الولاة“ لکھ کر ان کو بھی اس فرقے کے بارے میں باخبر کیا۔

اگرچہ کہ اس فرقے نے والی گجرات کی سربراہی میں علامہ پٹنی کو قتل کرنے کی بڑی کوشش کی اور ایک بار حملہ بھی کیا گیا؛ لیکن اللہ نے آپ کو بچالیا؛ یہاں تک کہ اکبر بادشاہ نے علامہ طاہر پٹنی کی درخواست پر گجرات کی جانب رخ کیا اور پٹنہ کو فتح کر لیا، تو پھر اس فرقے کی اہل اسلام کے خلاف صف آرائی کا خاتمہ ہوا۔

اس طرح آپ کی جدوجہد سے اس فرقے کا اہل سنت سے اختلاف اور اس کے گمراہ و باطل عقائد عوام الناس کے سامنے واضح ہو گئے۔

(دیکھیے: تذکرہ شیخ طاہر پٹنی ۶۶۰-۸۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مجددانہ کارنامے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے دور میں

ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے دین میں تحریف و تبدیلی کی اور ایک نیا دین بنام ”دین الہی“ بنایا اور ہندوستان کے باشندے اللہ کے اصلی دین و محمدی شریعت سے دور ہو گئے؛ بلکہ بعض تو نفور بھی ہو گئے اور حالت یہاں تک بگڑ گئی کہ پانچ چھ سال کے اندر اندر دین اسلام نام کی بھی کوئی چیز یہاں باقی نہ رہی اور ایک بالکل نیا دین یہاں لاگو کر دیا گیا۔

ملا عبد القادر بدایونی۔ جو اکبری دربار کے مؤرخ ہیں۔ انہوں نے اس صورت حال کا جائزہ پیش کیا ہے، اس کے بعد خلاصہ ان الفاظ میں درج کرتے ہیں کہ ”بعد از پنج و شش سال اثرے از اسلام نما ند و قضیہ منعکس شد“ (یعنی پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور معاملہ بالکل الٹ گیا)

(منتخب التواریخ: ۲۵۵۔)

اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی کو ایک مکتوب میں یہ لکھنا پڑا کہ ”اسلام کی کسمپرسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار بر ملا اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے دھڑک کو چہ و بازار میں مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں اور اس کے برعکس مسلمانوں کو احکام اسلام کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے اور اس پر اعتراض ہوتا ہے۔ خدا کی شان۔ مشہور تو یہ ہے کہ شریعت تلواریں کے سایے میں ہے اور دین کی رونق سلاطین سے وابستہ ہے؛ لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا ہو گیا ہے، کتنی حسرت و ندامت اور کیسے افسوس کا مقام ہے؟ (مکتوبات۔ دفتر اول: مکتوب نمبر: ۶۵)

ایک اور موقع پر آپ لکھتے ہیں کہ

”پچھلے دنوں کفار بر ملا سینہ زوری سے احکام کفر اس دارالاسلام میں ادا کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کی علانیہ ادائیگی سے عاجز تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تھے، تو قتل کئے جاتے تھے۔ ہائے افسوس اور ہائے ہماری بربادی! پروردگار عالم کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی، مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مذاق اور تمسخر سے ان کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے تھے، ہدایت کا آفتاب پردوں میں مستور تھا اور نور حق باطل کے حجابوں میں چھپا ہوا تھا۔

(مکتوبات دفتر اول، مکتوب نمبر: ۴۷۔)

ایک اور مکتوب میں اسی صورت حال کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

”ہندوستان کے کفار بلا دھڑک مسجدوں کو گرا کر ان کی جگہ اپنے مندر بناتے تھے اور بر ملا مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور غریب مسلمان اکثر احکام اسلامی کے ادا کرنے سے عاجز ہیں۔ ہندوؤں کے برت کے دنوں میں پیاہتمام ہوتا ہے کہ دن میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت کرے اور اس کے برعکس ماہ رمضان مبارک میں وہ بر ملا روٹی کھانا بیچتے ہیں اور اسلام کی کسمپرسی کی وجہ سے کوئی ان کو نہیں روک سکتا۔ افسوس صد ہزار افسوس۔

(مکتوبات دفتر دوم، مکتوب نمبر: ۹۲۔)

ان مکتوبات اور ملا عبد القادر بدایونی کے بیان سے اس وقت کی صورت حال جس قدر سنگین شکل اختیار کر گئی تھی، اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں؛ لیکن اس کے باوجود ایک اللہ کا بندہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی شکل میں کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس صورت حال کو بدلنا اور اسلام کو دوبارہ یہاں نافذ کرنا ہے، تو اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے اور چند ہی سالوں میں پھر یہاں کا نقشہ بدل جاتا ہے۔

امام ربانی نے دیکھا کہ اس بگاڑ و فساد کی ساری ذمہ داری تین قسم کے لوگوں پر ہے: ایک سرکاری و حکومتی لوگوں پر۔ دوسرے دنیا دار و مفاد پرست علماء سوء پر۔ اور تیسرے جاہل و بے دین و گمراہ صوفیاء پر۔ پھر آپ رحمہ اللہ نے کسی کی بھی پرواہ کئے بغیر اللہ کا نام لے کر ان سبھی طبقات کی اصلاح کے لئے اقدام کیا اور اللہ نے کامیابی عطا کی۔

اس کی تاریخ دیکھنا ہو، تو ”الفرقان“ کا ”مجدد الف ثانی نمبر دیکھئے، جو بعد میں ”تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

علماء دیوبند کا

فرق باطلہ و بدعات کے بارے میں موقف

اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں علوم قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت، دین و شریعت کی دعوت و تبلیغ اور مسلک اہل سنت والجماعت کی نمائندگی و وکالت کے لئے علماء دیوبند کو منتخب کیا ہے۔ جو الحمد للہ دین و شریعت کے نفاذ اور احقاق حق و ابطال باطل کے لئے ہمہ وقت و ہمہ جہت مصروف رہتے ہیں۔ احقاق حق کا وہ کونسا موقعہ

ہے، جس کو ان حضرات نے فراموش کیا ہے اور ابطالِ باطل کی وہ کوئی صورت ہے، جس سے انہوں نے صرف نظر کیا ہے؟

جب بھی ضرورت پڑی، تو اس کام کے لئے یہ حضرات میدانِ عمل میں کود گئے اور اس فریضہ منہجی کو بحسن و کمال انجام دیا۔ قرآنی و حدیثی علوم کی ترویج و اشاعت کی جانب دیکھئے، تو یہی حضرات یہاں کام کرتے دکھائی دیں گے، معروقات اور اہل حق کے نظریات کی اشاعت کے مسئلہ کی جانب دیکھئے، تو یہی حضرات اس میدان میں نظر آئیں گے اور منکرات و بدعات کی روک تھام اور اہل باطل کے غلط نظریات کی تردید کا مسئلہ درپیش ہو، تو وہاں بھی ان ہی کی ہستیاں کو سر بکف دیکھا جاسکے گا۔

چراغوں کی لو سے ستاروں کی ضو تک

تجھے ہم ملیں گے جہاں رات ہوگی

اور وہ حضرات بزبانِ حال یہ کہتے ہیں کہ

مرے ہم ضمیرِ بلبل، ترا مرا ساتھ ہی کیا

ترا دردِ درو تہا، مرا غمِ غمِ زمانہ

اور یہ بات ایسی کھلی ہوئی اور روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اس کے لئے دلائل و براہین قائم کرنا، ایک امرِ فضول معلوم ہوتا ہے؛ تاہم مناسب لگتا ہے کہ کچھ امور پر مختصر لکھا جائے؛ تاکہ ناواقف کو علم ہو جائے۔

عیسائی پادریوں کا فتنہ اور اس کا تعاقب

دارالعلوم دیوبند کا قیام جس دور میں ہوا ہے، وہ ملتِ اسلامیہ ہند کے تعلیمی و

تہذیبی اضمحلال اور سیاسی و فکری زوال کا دور تھا اور یہاں مسلمان مظلومیت و مظلوبیت کا شکار ہو رہے تھے، مسلمانوں میں احساس کمتری اور اپنے دین و مذہب کے سلسلے میں بے اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اور اس کو دیکھ کر ایک جانب عیسائیت اور انگریزی حکومت نے اہل اسلام کو عیسائی بنانے اور کفر و ارتداد کے گڑھے میں ڈھکیلنے کی مہم کا آغاز کر دیا تھا اور جگہ جگہ ان کے پادری لوگ کھلے عام؛ یہاں تک کہ مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہو کر عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی تردید کرنے لگے تھے۔ اور اسی کے ساتھ مشنری اسکولوں اور مشنری ہسپتالوں کے ذریعہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو عیسائی بنانے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔

اس کو دیکھ کر بلا کسی خوف کے علماء اسلام کھڑے ہو گئے اور سب سے اول اس سلسلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پیش قدمی کی اور آپ نے ان کے سب سے بڑے پادری سے متعدد مناظرے کئے اور موجودہ انجیل کا محرف ہونا ثابت کیا اور اس کو نکست فاش دی اور عیسائیت کی تردید و ابطال میں متعدد کتابیں لکھ کر اپنے فرض منصبی کو ادا فرمایا۔

اسی طرح حضرت قاسم الخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دار العلوم دیوبند نے بھی عیسائیت کی تردید اور اسلام کی حقانیت کے اثبات کے لئے بھرپور کام کیا اور میلہ خدا شناسی کے تاریخی موقع پر تمام اہل مذاہب کے درمیان اسلام کی حقانیت و دیگر مذاہب کے بودہ ہونے پر وہ معرکہ الآراء تقریر فرمائی کہ سارے لوگ مبہوت رہ گئے۔

آریہ سماجی فتنہ اور علماء کا اس کے خلاف محاذ

دوسری جانب ہندو و آریہ قوموں کی طرف سے بھی اسلام پر اعتراضات و

الزامات لگا کر اس کی شبیہ کو مسخ کرنے اور اہل اسلام کو اس سے بدظنی میں مبتلا کرنے کی کوشش و سازش ہونے لگی؛ خصوصاً پنڈت دیانند سرسوتی اور پنڈت غشی اندرمن نے اس دور میں اسلام کے خلاف زہرا گل کر اپنے دلوں کی ناپاکی و کڑوے پن کا مظاہرہ کیا۔ اول الذکر نے اپنی کتاب ”مستیارتھ پر کاش“ میں جس انداز سے اسلام کو ہدف تنقید بنایا اور جس لب و لہجہ میں اس پر گنگو کی تھی، وہ انتہائی اذیت ناک اور اشتعال انگیز تھی۔ اسی طرح ثانی الذکر نے متعدد کتب لکھ کر یہی کام کیا تھا، جس نے اہل اسلام میں اشتعال پیدا کر دیا؛ یہاں تک کہ اخبارات میں اس کے خلاف احتجاج ہوا، پھر عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ ہوا اور آخر الامر ان کتابوں کی ضبطی کا حکم عدالت کو دینا پڑا۔ اس وقت بھی اہل علم حضرات کھڑے ہوئے اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا اور اہل اسلام کی رہنمائی کا فرض انجام دیا؛ چنانچہ رڑکی کے مسلمانوں کی گزارش پر حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں میں سے حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی اور حضرت مولانا حافظ عبدالاحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پنڈت دیانند کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے روانہ کیا؛ لیکن جب پنڈت نے ان سے مباحثہ کرنے سے انکار کر دیا، (جو دراصل اس کی شکست تھی) تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود علالت کے رڑکی کا سفر کیا اور پنڈت کو مناظرے کی دعوت دی؛ مگر وہ آپ سے مناظرے کی ہمت نہ کر سکا اور حیلے بہانے بنا تا رہا۔ یہ دیکھ کر آپ نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ رڑکی کے مختلف عام مجامع میں حقانیت اسلام پر تقاریر کریں اور پنڈت کے اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیں اور خود آپ نے بھی اس سلسلے میں لا جواب تقریر کر کے اس فرض کو ادا فرمایا۔

اسی طرح جب پنڈت دیانند نے رڑکی کے بعد میرٹھ میں وہ سب کچھ کیا، جو رڑکی میں کیا تھا، تو وہاں بھی حضرت نانوتوی پہنچ گئے اور خود اس کی قیام گاہ پہنچ گئے؛ مگر وہ کسی طرح مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوا۔

الغرض جب پنڈت دیانند سرسوتی کی جانب سے مناظرے و مباحثے سے راہ قرار اختیار کی گئی، تو تقاریر اور تحریرات کے ذریعہ اس کے پیدا کردہ شبہات کا انتہائی مدلل و مفصل جواب دیکر اسلام کا حق و سچ ہونا ثابت کر دیا گیا، جس کے نتیجہ میں الحمد للہ اس کی ہمت ایسی ٹوٹی کہ سر نہ اٹھا سکا اور اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔

شدھی و سنگھٹن کا فتنہ اور علماء کی اس کے خلاف سرگرمیاں

پھر اسی آر یہ سماج کے دور ثانی میں سوامی شر دیانند کی جانب سے ایک اور فتنہ پیدا کیا گیا، جو بڑا خطرناک تھا، جس کو شدھی اور سنگھٹن کی تحریک کہا جاتا ہے، جس میں جگہ جگہ مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنایا جا رہا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ یہ مسلمان پہلے ہندو تھے، ان کو مسلمانوں نے زبردستی مسلمان بنایا تھا، اب ان کو دوبارہ ہندو بنایا جائے گا۔ اس فتنہ نے ملک کے طول و عرض میں مختلف جگہ سراٹھایا اور بہت سے مسلمانوں کو مرتد بنا دیا۔ اس وقت بھی علماء اہل حق اس کی سرکوبی کے لئے تن من و جن کی بازی لگاتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور اس کا مقابلہ کیا۔

چنانچہ جمعیت علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے ارباب نے سب سے پہلے اس سلسلے میں جدوجہد شروع کی اور اپنی جانوں پر کھیل کر اس فتنہ کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا، اور اس میں جمعیت علماء کی جانب سے پیش پیش حضرات اقدس مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا عبدالحلیم صدیقی رحمہم اللہ تھے، جنہوں نے مختلف

خطوں اور علاقوں میں مبلغین حضرات کے وفود بھیجے اور دارالعلوم دیوبند نے اس وقت چوبیس مبلغین کا وفد اس کام کے لئے بھیجا۔ اور لوگوں کو دوبارہ اسلام کی طرف لانے و مشرف باسلام کرنے کی تحریک جاری کی، نیز اس کی خاطر جگہ جگہ مکاتب اسلامیہ قائم کر کے بچوں کو اسلام کے بنیادی و اساسی عقائد و مسائل سے واقف کرایا گیا۔ اسی طرح حضرت اقدس مولانا ظلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی اس سلسلے میں وفود بھیجے، جس میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ و حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ کا ندھلویؒ وغیرہ پیش پیش تھے۔ نیز اسی دور میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ نے ”مجلس دعوت الحق“ قائم کی اور مبلغین کا ایک منظم سلسلہ قائم کیا اور اس فتنہ کے استیصال کے لئے کام کیا۔

قادیا نیت اور اس کا مقابلہ

ایک جانب اسلام کو اور اہل اسلام کو کمزور کرنے کی یہ کوششیں تھیں، تو دوسری جانب انگریزوں نے اہل اسلام میں رخنہ پیدا کرنے اور ان کو کاٹنے کی سازش کے طور پر ایک جھوٹے نبی مسلمان پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کو حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ”ختم نبوت“ پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے دعویٰ نبوت کے ساتھ کھڑا کر دیا، جس نے ان انگریزوں کے اشاروں پر امت کو تقسیم کرنے اور اسلام سے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے چٹانے کی کوشش بڑے پیمانے پر شروع کر دی۔ کتابوں، رسالوں اور پمفلٹوں کے ذریعہ ہندوستان بھر میں ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا اور بہت سے لوگوں کو مرتد بنانے میں کامیاب ہوتا گیا۔ پھر اس کے بعد اس کے خلیفہ اول حکیم نور الدین پھر خلیفہ ثانی بشیر الدین محمود

وغیرہ کے زمانے میں بھی اس کی یہ تحریک زبردست پیمانے پر چلتی رہی اور اہل اسلام کی بے ایمانی و ارتداد کا ذریعہ بنتی رہی۔

اس فتنے کی سرکوبی کے لئے بھی اہل علم حضرات نے روز اول سے جدوجہد جاری فرمادی تھی۔ اولاً اس فتنے کی اصلیت کو واضح کرنے کے لئے اور اسلام کے نام پر کفر کی دعوت و پیغام کی سازش کو طشت از بام کرنے کے لئے علماء نے متعدد فتوے تحریر کئے۔ دارالعلوم دیوبند، خانقاہ رائے پور، مدرسہ امدادیہ تھانہ بھون، سہارنپور، ندوۃ العلماء وغیرہ سے یہ فتوے لکھے گئے اور مشہر کئے گئے، نیز ان کے مبلغین سے مناظروں و مباحثوں کے ذریعہ بھی اس کے خلاف حجت قائم کرنے کی کوشش کی گئی، نیز ان کی جانب سے دئے گئے مباہلے کے چیلنجوں کا بھی بھرپور جواب دیا گیا، نیز اس فتنے کے خلاف کتابیں و رسائل و مضامین و مقالات بھی خوب لکھے گئے۔

اور اس فتنے کی سرکوبی کے لئے مختلف علاقوں اور جماعتوں و طبقات کے علماء و مشائخ اور اہل دین حضرات پوری مستعدی کے ساتھ کھڑے ہو گئے، جیسے مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا انوار اللہ خان صاحب حیدر آبادی، وغیرہ، اور علماء دیوبند تو سب کے سب اس میں لگے ہوئے تھے؛ بالخصوص حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی و حضرت مولانا انور شاہ کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند اور ان کے شاگرد حضرات جن میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا یوسف بنوری رحمہم اللہ وغیرہ حضرات پیش پیش تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

”خصوصاً ۱۳۳۰ھ میں قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا اور ان لوگوں کو جرات ہونے لگی کہ علماء کو مناظرہ اور مقابلہ کی دعوت دینے لگے، اس نے سنی علماء کو اس فتنہ کی روک تھام کی طرف متوجہ کیا؛ خصوصاً حضرت

الاستاذ سید محمد انور شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کے قلب مبارک میں اس کا اہتمام اس شان سے پیدا ہوا کہ جیسے کوئی مامور من اللہ کسی خاص خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت درس و تدریس کے بعد حضرت موصوف کے تمام اوقات اسی فتنہ کے انسداد پر خرچ ہونے لگے۔ حضرت نے ہم تینوں (مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا بدر عالم میرٹھی) نو عمر مدرسوں کو اس کام پر لگایا کہ عقائد اسلامیہ کے خلاف تمام مسائل میں قادیانی و جل و فریب کا پردہ چاک کیا جائے۔ (آگے لکھتے ہیں کہ) اسی زمانے میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاذ محترم حضرت شاہ صاحبؒ فرما رہے تھے، عام مسلمانوں میں قادیانی و جل و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ملک کا دورہ کرنا، تجویز کیا، اس دورہ میں ہم تینوں کو حضرت کا ہم سفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی زمانے میں یہ تجویز ہوا کہ سالانہ ایک جلسہ خود قادیان میں منعقد کیا جائے، جس میں مرزا کے اوبام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے۔

(نبی علماء حق، تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی: ۴۱۷-۴۱۸)

الغرض علماء حق نے قادیانیت زدہ علاقوں کے دوروں، بیانات و تقاریر اور کتابوں و رسائل کے ذریعہ ملک کے گوشے گوشے کو اس فتنے سے واقف کرا دیا اور بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پمفلٹ و جرائد، کتابیں و رسائل، جن میں چھوٹے بڑے متوسط ہر قسم کے ہیں؛ یہاں تک کہ ضخیم سے ضخیم کتابیں بھی ہیں، ہزاروں کی تعداد میں لکھیں و شائع کی گئیں، اور ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلائی و پہنچائی گئیں۔ لیکن ایک کام یہ ضروری تھا کہ اس خلاف اسلام تحریک کا اسلامی عدالتوں کے

ذریعہ غیر اسلامی ہونا ثابت و باور کرا دیا جائے اور اس کے ماننے والوں کو اسلام سے خارج و مرتد قرار دیدیا جائے؛ چنانچہ وہ دور بھی آیا کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا نجم الدین رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے مقدمہ بھاو پور میں خود شریک ہو کر مرزا کے اور مرزائیوں کے کفر پر صریح و واضح دلائل قائم کر دئے اور بھاو پور کی مسلم ریاست کی عدالت نے اس بنیاد پر قادیانیت کو کفر کے مترادف اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

پھر جب تقسیم ہند کے بعد قادیانیت کا مرکز ہندوستان سے پاکستان میں ربوہ مقام پر منتقل ہو گیا اور مرزا بشیر الدین محمود نے بڑے بلند عزائم کے ساتھ اس کو مرکز بنایا تھا اور حالات بھی بظاہر اس کے موافق تھے؛ کیونکہ وہاں کے کلیدی عہدوں پر قادیانیوں کے بڑے ذی اثر لوگ حاوی تھے؛ حتیٰ کہ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان بھی قادیانی تھا؛ تو پھر وہاں بھی حضرات علماء نے بالخصوص عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، مولانا احسان اللہ شجاع آبادی رحمہ اللہ، مولانا محمد شریف بھاو پوری رحمہ اللہ، مولانا عبد الرحیم اشعر رحمہ اللہ، مولانا عبد الرحمان میانوی رحمہ اللہ، علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ وغیرہ نے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے اور ان کی کفر سازی کی مہم کے توڑنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اور نہ صرف پاکستان کی حد تک؛ بلکہ پورے عالم اسلام میں قادیانیت کی ناپاک تحریک سے وہاں کے سربراہوں کو اور معتبر تنظیموں کو واقف کرانے کی مہم

زوروں کے ساتھ جاری کی گئی؛ یہاں تک کہ رابطہ عالم اسلامی نے بھی اس مسئلہ پر خصوصی توجہ دی اور اپنے اجلاس منعقدہ ربیع الاول ۱۳۹۳ مطابق اپریل ۲۰۱۷ء مکہ مکرمہ میں قادیانیت کو ایک خطرناک باطل مذہب اور ان لوگوں کو کافر و خارج از اسلام قرار دیا۔

پھر علماء نے عوامی تحریک کے ساتھ حکومت پاکستان سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا، جو بڑی آزمائشوں، قربانیوں، گرفتاریوں، اذیتوں کے بعد منظور ہو کر بھٹو کے دور حکومت میں پاس ہوا۔

شیعیت کا فتنہ اور اس کا مقابلہ

ہندوستان میں متعدد شیعہ حکومتیں رہیں، جن کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں شیعیت کے جراثیم پھیل گئے اور گاؤں گاؤں میں علم کشائی و تعزیہ داری، عاشور خانے، ماتمی مجالس، صحابہ پر تبر ابازی، محرم میں شہادت حسین کی مجالس وغیرہ کا ایسا عام رواج ہو گیا کہ اہل سنت بھی بلا کسی تذبذب و ادنی تاہل ان امور کو انجام دیتے تھے اور آج بھی بہت سے علاقوں میں یہ صورت حال قائم ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ شیعہ مجتہد خوب خوب صحابہ پر تبر ابازی کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کتابیں بھی لکھ لکھ کر اہل سنت پر تشیہ چلاتے تھے اور اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔

ہمارے علماء نے اس فتنے کے استیصال کے لئے بھی ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالغفور لکھنوی رحمہم (لہ) وغیرہ نے مناظروں اور کتب و رسائل کے ذریعہ عوام کو حقانیت سے واقف کرایا اور ان باطل رسومات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

جاہلانہ بدعات و رسومات کا فتنہ

پھر ایک جانب علماء سوء و جھوٹے صوفیوں و پیروں نے اہل اسلام کے مابین طریقت و حقیقت و تصوف کے ناموں سے اختلافات و نزاعات قائم کر دئے اور بدعات و شرکیات، لغویات و خرافات کو دین اسلام میں داخل کرنے کی ناپاک کوششیں جاری کر دی تھیں، جس سے امت کا شیرازہ منتشر اور اہل سنت کی ڈگر سے ہٹا جا رہا تھا اور مختلف قدیم و جدید فرقوں نے اہل سنت کی شناخت ختم کر دی تھی۔

حضرات علماء نے محسوس کیا کہ امت کی اس بے راہ روی و بگاڑ میں سب سے زیادہ دخل علم دین سے دوری و بعد ہے؛ لہذا اس کے لئے جگہ جگہ منصوبہ بند طریقے پر مکاتب دینیہ اور مدارس اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا گیا؛ تاکہ علم کی روشنی سے لوگوں کو عقائد و اعمال کا صحیح رخ معلوم ہو اور وہ حق و باطل، اچھے و برے میں فرق و امتیاز کر سکیں۔ چنانچہ مکاتب و مدارس کا ایسا جال بچھایا گیا کہ شہر تو شہر، گاؤں اور دیہات کی فضا بھی اس سے محروم نہ رہی اور علم کی روشنی گھر گھر پہنچ گئی۔ لوگ عقائد صحیحہ، بدعت و سنت، حق و باطل، اچھے و برے میں امتیاز کرنے لگے، دین کا ذوق و شوق پیدا ہوا، عوام میں دینی بیداری پیدا ہوئی۔ مدارس میں علماء و فضلاء کی کھیپ تیار ہونے لگی۔ جو عوام میں جا کر دین کا کام و دعوت الی اللہ و تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکیں۔

اور دوسری جانب لوگوں کو عملی زندگی سے وابستہ کرنے کے لئے اور اپنی اصلاح کی جانب متوجہ کرنے کے لئے خانقاہی نظام بھی وجود میں لایا گیا، جہاں لوگوں کو اہل اللہ کی صحبتوں سے استفادے کا موقع ملتا تھا اور تصوف و حقیقت کی صحیح تعبیرات اور طریقت و ولایت کے واقعی مغایم سے لوگوں کو واقفیت حاصل ہوتی تھی اور جاہل

پیروں و جھوٹے مشائخ کی دین میں دھاندلیاں اور دھوکہ بازیاں لوگوں کے سامنے آشکارا ہو جاتی تھیں۔

پھر کتب و رسائل اور فتاویٰ و مسائل کے بیان سے، نیز عوامی سطح کے مواعظ و تقاریر سے بھی لوگوں کی شرکانہ رسوم و مجرمانہ بدعات کے خلاف ذہن سازی کی گئی۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا اسماعیل شہید، حضرت مولانا سید احمد شہید بریلوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم (لہ و غیرہ نے مجاہدانہ طریقے پر کام کیا اور لوگوں کو حقیقت سے واقف کرایا۔

اور اسی سلسلے میں حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ نے عوامی اصلاح کے لئے ”دعوت و تبلیغ“ کی ایک تحریک جاری کی؛ تاکہ ان پڑھ قسم کے لوگ بھی دین سے ناواقف نہ رہیں اور اہل علم و اہل دین بھی اس سے جڑ کر دین سیکھنے سکھانے کا کام کریں؛ تاکہ ایک عام و آسان طریقہ قائم ہو جائے، جو عوام الناس کے لئے نہایت مفید ہو۔

یہ تینوں سلسلے: مدارس، خانقاہیں، اور دعوت و تبلیغ اسی اصلاحی و تعلیمی مہم کے مختلف راستے و طریقے ہیں اور علماء کی دور رس نگاہوں نے اپنے اپنے وقت پر ان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، ان کو جاری کیا تھا؛ تاکہ جہالت و ضلالت کے بادل چھٹ جائیں اور امت کے افراد حق و باطل میں امتیاز، اچھے و برے میں فرق، اور سنت و بدعت کی پہچان کر سکیں اور گمراہیوں سے بچیں اور دین کی صاف و شفاف شاہراہ و صراطِ مستقیم پر چل کر نجات پا سکیں۔

یہ احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا نہایت مختصر تاریخی جائزہ ہے، جس سے ایک جانب امت کے حالات کا علم بھی ہوتا ہے اور دوسری جانب علماء و اکابر کا احقاقِ حق و

ابطال باطل کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہنے اور ہر طرح کی قربانیاں دینے کا جذبہ بھی سامنے آتا ہے۔

بنگور و کرناٹک کے اضلاع میں بدعات و شرکیات کا ماحول

اور علماء حق کے کارنامے

بنگور اور کرناٹک کا علاقہ بعض اعتبارات سے ترقی یافتہ اور علوم عصریہ و فنون دنیویہ کے لحاظ سے دیگر شہروں و صوبوں کے مقابلے میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود، دینی لحاظ سے ایک گونہ کمزوری و ضعف کا شکار رہا ہے، جس کے نتیجے میں شہر بنگور اور صوبے کے مختلف علاقوں اور گاؤں گاؤں میں ایک طویل زمانے سے بدعات و شرکیات کا ایک طوفان بدتمیزی برپا رہا ہے۔

مزارات اولیاء اللہ پر نذرو نیاز و فاتحہ، صندل و عرس، طواف و سجدے، گانا بجانا، کھیل و تماشے وغیرہ بدعات و شرکیات کا لمبا چوڑا سلسلہ جاری تھا۔ وہاں مرادیں مانگنے، چادریں چڑھانے، درو و کردہائیاں دینے کی مشرکانہ فضا قائم تھی۔

ہر مسجد و دینی ادارہ بدعات کا اکھاڑا بنا ہوا تھا، کہیں اذان و اقامت کے شروع میں درو و شریف، کہیں شیخ و قوتہ نمازوں اور جمعہ کے بعد درو و دعائیں، کہیں چیچ چیچ کر دعائیں، دعاء میں ”الفاتحہ“ اور آیت کریمہ ”یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیماً“ پڑھنے کا لزوم، کہیں مساجد میں بعد فجر سلام کی محفلیں، محرم کے مہینے میں ابتدائی دس دنوں میں ایصال ثواب کی مجلسیں، نیز جنازے کی نماز سے پہلے بعض جگہ امام کو میت کے گناہوں کو اپنے سر لینے کا اقرار و اعتراف، رقیع الاول میں بارہ دنوں تک سیر شریف پڑھنے کا اہتمام، جمعہ میں اردو میں خطبے کا رواج، بعض

خاص خاص راتوں جیسے لیلۃ القدر و شب برأت وغیرہ میں مساجد کو چہ اغاں کرنے اور پھولوں سے سجانے کا رواج وغیرہ امور پوری شدت کے ساتھ جاری و ساری تھے۔

اور گھر گھر میں مختلف قسم کے رسوم و رواجات کا چلن تھا، جمعہ و جمعرات کی فاتحہ وغیرہ کی رسم، پیدائش کی الگ رسمیں، حقیقہ کی الگ رسمیں، چھٹی کی رسمیں، بسم اللہ خوانی کی رسمیں، اسی طرح سنگتی و شادی بیاہ کی الگ رسمیں، موتی کے موقعہ کی الگ رسمیں۔

پھر مختلف مہینوں کی مختلف رسمیں: محرم میں پچھے و قعز یے و علم اور کچھڑے، چونکے کی رسمیں، رمضان کی آخری جمعہ کو الوداع کی رسم، شعبان میں شب برأت کا حلوہ اور گھروں کی لپائی پٹائی، ربیع الاول میں بارھویں کے نام سے جلسے و جلوس۔ جس میں ہر قسم کی بے راہ روی و خلاف شرع کام ہوتے ہیں۔ ربیع الثانی میں گیارھویں کا رواج، رجب میں کونڈے کی رسم، عید و بقرعید کی رسمیں وغیرہ، ان سب بدعات و بے اصل باتوں نے دین و شریعت کا پورا حلیہ ہی بگاڑ رکھا تھا۔

نیز شریعت و سنت پا مال ہو رہی تھی، قرآن و حدیث کے علوم کا کوئی خاص رواج و چلن نہیں تھا، لوگ علم سے کوسوں دور؛ بلکہ ایک حد تک انور تھے، عموماً حفاظ و علماء کا وجود نہیں تھا، مساجد میں ائمہ عموماً غیر علماء وغیرہ حفاظ تھے۔ جو کسی سرکاری ڈپارٹمنٹ سے ریٹائرڈ یا حالات کے مارے ہوئے لوگ ہوتے تھے۔ اس لئے رمضان میں تراویح و بیان کے لئے اور اسی طرح خاص خاص موقعوں پر باہر سے اسی بدعتی ذہن کے علماء آکر عوام الناس کو مزید بدعات و شرکیات کے دلدل میں پھنسا جاتے تھے۔

ان بدعات، رسومات و رواجات میں عوام و خواص اس قدر کثرت و شدت کے

ساتھ جتلا ہو گئے تھے کہ ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننا، ان کے لئے مشکل تھا اور فرائض و واجبات شرعیہ میں کوئی فرق آجائے، تو آجائے؛ مگر ان بدعات و رسومات میں کوئی فرق کرنا گوارا نہیں تھا اور ان کے خلاف کہنے والے کو سخت ترین مجرم و خدا و رسول کا گستاخ سمجھا جاتا تھا۔

ان حالات و کوائف میں اہل حق علماء و اہل دین حضرات کی ایک مختصر و قلیل جماعت نے کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کئے بغیر دین حق و شریعت حق کی اشاعت و حفاظت اور ان بدعات و خرافات کی بیخ کنی کے لئے اپنے آپ کو میدان میں ڈال دیا اور ہر طرح کی اس سلسلے میں قربانیاں دینے کا عزم کرتے ہوئے کام و محنت شروع کر دی۔

حضرت مولانا ابوالناصر ذاکر حسن عبیدی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبد الجلیل خطیب باقوی رحمۃ اللہ علیہ، وغیرہ اکابر نے اس سلسلے میں پیش قدمی فرمائی اور حق و باطل اور سنت و بدعت میں فرق و امتیاز کا سبق پڑھایا۔ سب سے پہلے مسجد بید اہل سنت والجماعت سے حضرت مولانا عبد الجلیل الخطیب باقوی نے نمازوں کے بعد پڑھی جانے والی ”فاتحہ مروجہ“ کے خلاف آواز اٹھائی۔ یہ زمانہ وہ تھا، جبکہ جمعیت بید کے صدر جناب اے ڈنگیر خان صاحب تھے، ادھر اس پر عوام الناس کی جانب سے بڑا سخت مقابلہ ہوا اور پھر مختلف مدارس و اداروں اور دارالافتاؤں سے اس سلسلے میں فتاویٰ منگوائے گئے اور ایک دو کے سوا تقریباً سبھی اہل فتوے نے اس رسم کو بدعت و ناجائز قرار دیا۔

نیز حضرت مولانا عبیدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب کی مساعی جمیلہ سے اس علاقے میں اکابر دیوبند کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی

جاری ہوا، سب سے پہلے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تشریف آوری ہوئی، پھر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ورود مسعود ہوا پھر ان حضرات نے اس علاقے میں محنت کے لئے حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مبلغ دارالعلوم دیوبند کو بھیجا، وہ سال بہ سال یہاں آتے رہے اور یہاں کی بدعت آشوب فضا کو سنت و شریعت کے رنگ میں رنگنے کی محنت جاری فرمائی اور آپ سے یہاں بڑا فائدہ ہوا، مختلف قسم کی بدعتوں پر قدغن لگی، عوام آپ کے حق نمایانات و خطابات سے متاثر ہوتے اور بدعات سے توبہ کرتے؛ یہاں تک کہ الحمد للہ بدعت کی جگہ سنت کی فضا قائم ہونے لگی اور اسی درمیان میں اور بھی متعدد اکابر دیوبند کی آمد ہوتی رہی، جیسے حضرت مولانا نور محمد نانڈوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، جن کی ذوات نے جہاں ایک جانب حق کو واضح کیا اور سنت و بدعت میں فرق کیا، وہیں لوگوں کو اکابر دیوبند اور ان کے مسلک و مشرب سے بھی آگاہی بخشی۔

حضرت مولانا ذاکر حسن عبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سلسلہ میں ایک مجلس بنام ”مجلس تحفظ شریعت“ قائم فرمائی، جس سے متعدد کام انجام پاتے رہے: ایک تو یہ کہ اکابر علماء کو بلا کر ان سے خطابات و بیانات کرائے جاتے اور لوگوں کے اندر کی عقائد و اعمال کی کجیوں کو دور کرنے کی فکر کی جاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ اصلاحی پمفلٹ اور رسائل شائع کئے جاتے تھے۔ تیسرے یہ کہ معاشرے میں مروج بدعات و رسومات پر لوگوں کو متنبہ کیا جاتا تھا۔

نوٹ : معلوم ہونا چاہئے کہ ”مجلس تحفظ شریعت“ کے نام سے اب جو تحریک جاری ہوئی ہے، وہ دراصل حضرت مولانا عبیدی صاحب علیہ الرحمہ کی جاری کردہ تحریک ہی کی نشاۃ ثانیہ ہے۔

اور دوسری جانب حضرت مولانا عبد الباقیل صاحب باقوی نے اپنے خطبات و تقاریر سے بھی اور تحریروں کے ذریعہ سے بھی اصلاحی و دعوتی مہم چلائی، اور اسی سلسلے میں یکے بعد دیگرے ”روشنی“ و ”خطیب“ کے نام سے دو اخبارات جاری فرمائے اور ان سے بھی اس اصلاحی جدوجہد میں کام لیا۔

پھر تبلیغی جماعت کے کام و نظام نے جو حق کو فروغ دیا، معروفات و سنتوں کا چلن عام کیا، لوگوں میں دینی شعور و بیداری پیدا کی، اس کا اثر بھی کھلی آنکھوں دیکھا گیا اور ایک عمومی دینی فضا کو قائم کرنے میں اس نے ایک ریکارڈ قائم کر دیا۔

اس دور میں اہل بدعت کی جانب سے بڑا شور و ہنگامہ کیا گیا اور ان اکابر علماء اور ان کے ساتھ دینی حلقوں سے جڑے ہوئے افراد، و تبلیغی نظام سے لگے ہوئے لوگوں کو گستاخ رسول و گستاخ اولیاء کے القاب سے نوازا گیا، ان پر ظلم و تشدد کی راہیں بھی اختیار کی گئیں، ان کو مساجد سے نکالا گیا، زد و کوب کے واقعات پیش آئے؛ حتیٰ کہ حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب علیہ الرحمۃ کے خطابات کے موقع پر عوام الناس کے مجمع کو منتشر کرنے کے لئے ان لوگوں کی جانب سے ”نار و احرکات“ کی گئیں، جیسے کسی جگہ مجمع میں گائے لا کر لوگوں کے درمیان میں بھگا کر چھوڑ دی گئی اور کہیں کتوں کو مجمع میں دوڑایا گیا؛ تاکہ لوگ مجمع سے منتشر ہو جائیں؛ مگر اہل حق نے اپنے عزم و حوصلوں کا ریکارڈ قائم کر دیا اور حق کے لئے ڈٹے رہے اور بے پناہ مساعی جیلہ اور عظیم قربانیوں کا ایک طویل سلسلہ قائم کر دیا، جس کے بعد یہاں پر حق

واہل حق کے لئے راہیں ہموار ہونیں اور بنگور علم و علماء کا گہوارہ، متعدد علمی، دعوتی و تبلیغی تحریکات کا مرکز اور مدارس و مکاتب کا منبع بن گیا اور ان حضرات اکابر کی وجہ سے یہاں ایک صالح معاشرہ کی تشکیل ہوئی، بدعات کے مقابلے میں سنتوں کا رواج ہوا اور ایک حد تک حق کا بول بالا ہوا۔

علماء حق کی جانب سے اہل باطل کا تعاقب

یہاں یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ علماء حق نے ہمیشہ سے اہل باطل کے خلاف انکار و تردید کا فریضہ انجام دیا ہے اور ان فرقوں کی نشاندہی بھی کی اور اس سلسلے میں ابو الحسن اشعریؒ کی کتاب ”مقالات الاسلامیین“ اور علامہ ابن حزمؒ کا ہریؒ کی کتاب ”الفصل فی الملل والاهواء والنحل“ اور علامہ عبد الکریم الشہرستانیؒ کی ”الملل والنحل“ اور علامہ عبد القاہرؒ کی ”الفرق بین الفرق“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نیز علماء نے ان فرقوں اور ان کے مختلف عقائد و نظریات کے رد میں بھی قابل لحاظ کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہاں اس سلسلے کی چند اہم کتب کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلامؒ نے ”کتاب الایمان“ لکھی۔ ابو بکر بن ابی شیبہؒ نے ”کتاب السنۃ“ و ”کتاب الایمان“ لکھی۔ امام طحاویؒ نے ”العقیدۃ“ لکھی۔ امام عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ الجعفیؒ نے ”کتاب الرد علی الجہمیہ“ لکھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ”الرد علی الجہمیہ و الزنادقہ“ لکھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے امام عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ”السنۃ“ لکھی۔ امام بخاریؒ نے ”تحلیق افعال العباد“ اور ”الرد علی

”الجهمية“ لکھی۔ امام ابن قتیبة رحمہ اللہ نے ”الاختلاف فی اللفظ“ اور ”الرد علی الجهمية والمشبہہ“ لکھی۔ امام عبد الرحمن بن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ”الرد علی الجهمية“ لکھی۔ امام ابو بکر الاثرم رحمہ اللہ نے ”کتاب السنة“ لکھی۔ اسی طرح امام ابو داود رحمہ اللہ نے ”السنة“ اور امام ابو علی خلیل بن اسحاق رحمہ اللہ نے ”السنة“ لکھی۔

اسی طرح امام ابو بکر احمد بن عمرو الشیبانی رحمہ اللہ نے ”السنة“ لکھی۔ امام دارمی رحمہ اللہ نے ”الرد علی الجهمية“ اور ”الرد علی بشر المریسی“ لکھی۔ امام احمد بن علی بن سعید المروزی رحمہ اللہ نے ”کتاب السنة“، امام ابن مندہ العبدی نے ”التوحید“، ”الایمان“، ”کتاب الرد علی الجهمية“ اور ”کتاب الرد علی اللفظیہ“، امام الخلال رحمہ اللہ نے ”السنة“، امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے ”کتاب التوحید“، امام ابو احمد محمد بن احمد العسال رحمہ اللہ نے ”السنة“، امام طبرانی نے ”کتاب السنة“، امام ابو محمد عبد اللہ ابن حبان رحمہ اللہ نے ”السنة“، امام ابن بطہ نے ”الایمان“، امام ابو بکر محمد بن حسین الآجری رحمہ اللہ نے ”الشريعة“، امام ابوالقاسم حبة اللہ لکائی نے ”اعتقاد اهل السنة“، امام ابو عمرو احمد بن محمد الاندلسی رحمہ اللہ نے ”کتاب الاصول“، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ”منہاج السنة“ شیعہ کے رد میں لکھی۔ امام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل التیمی رحمہ اللہ نے ”الحجة فی بیان المحجة“ لکھی۔ امام ابو ذر الحر وی رحمہ اللہ نے ”کتاب السنة“، امام بیہقی نے ”کتاب الاسماء والصفات“، امام ابن ابی یعلیٰ نے ”الاعتقاد“ لکھی۔ نیز امام علی المتقی برہان پوری نے مہدویوں کے رد میں ”البرہان فی علامات

مہدی آخر الزمان اور ”الرد علی من حکم و قضی أن المہدی جاء و مضی“ لکھی۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ”رد و افش“ لکھی۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے ”ازالۃ الخفاء“ لکھی۔ اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے ”تحفۃ اثنا عشریہ“ لکھی۔ حضرت اسماعیل شہید نے ”تقویۃ الایمان“ لکھی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوٹی نے ”ہدایۃ الشیعۃ“ لکھی۔ حضرت حجت الاسلام مولانا قاسم نانوتوی نے ”الاجوبۃ الکاملۃ فی الاسئله الخاملہ“ اور اجوبہ اربعین اور ”ہدیۃ الشیعہ“ لکھی۔

مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نے ”ہدایات الشیعۃ“ اور ”مطرقۃ الکرامۃ علی مرآۃ الامارۃ“ اور ”براہین قاطعہ“ لکھی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بدعات مروجہ کے خلاف ”اصلاح الرسوم“ لکھی اور متعدد مواعظ بیان کئے۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے ”بطالان مذہب شیعہ“ اور تحفۃ خلافت اور تحفۃ اہل سنت“ لکھی۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے مولانا مودودی کے نظریات کے خلاف ”ایمان و عمل“ اور بریلوی فتنے کے خلاف ”شہاب ثاقب“ لکھی۔ مولانا اور یس کاندھلوی رحمہ اللہ نے مسئلہ خلق قرآن پر ”الکلام الموثوق فی أن کلام اللہ غیر مخلوق“ لکھی۔

مولانا منظور نعمانی نے ”ایرانی انقلاب، شیعیت و امام خمینی“ اور بریلوی فتنے کے رد میں ”فیصلہ کن مناظرہ“ لکھی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے ”رومودودی“ پر ایک رسالہ لکھا۔ مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ”الاستاذ المودودی“ لکھی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے ”صورتان

متضاد تان عند اهل السنة والشیعة“ اور ”قادیانیت“ اور ”التفسیر السیاسی للاسلام“ لکھی۔ مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے ”ارشاد الشیعة“ لکھی۔

خاتمۃ

دواہم و ضروری تنبیہات

یہاں اخیر میں دواہم و ضروری تنبیہات قابل ملاحظہ ہیں: ایک تو یہ کہ اوپر اکابر و اسلاف؛ بالخصوص علماء دیوبند کے بارے میں جو یہ عرض کیا گیا کہ ان حضرات نے منکرات و بدعات کی اصلاح و ازالہ اور باطل فرقوں کا تعاقب و مقابلہ کیا، اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان حضرات کی زندگیوں کا صرف یہی ایک کام تھا۔ نہیں؛ بلکہ ان کے بہت سے کارناموں میں سے ایک کام و کارنامہ یہ تھا؛ ورنہ تو یہ حضرات اس کے علاوہ دعوت الی اللہ، احکام دین کی حفاظت و اشاعت، معروفات و مأمورات کی تبلیغ، اصلاح نفس و تزکیہ اخلاق، علوم شرعیہ کی تعلیم و تدریس، لوگوں میں دینی بیداری پیدا کرنے کے لئے وعظ و ارشاد، تفسیر قرآن و درس حدیث، تعلیم مسائل، و تحقیق عقائد و اعمال وغیرہ بے شمار امور پر بھی کام کرتے ہیں۔

لہذا ان اکابر علماء و اسلاف کے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ ان حضرات نے صرف منفی پہلو پر کام کیا ہے۔ ہاں! ان کے اور بہت سے کاموں میں سے ایک اہم کام یہ بھی تھا اور ہے، اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، یہ بھی حضرات علماء کی ایک ذمہ داری ہے، جس سے اعراض و روگردانی جائز نہیں اور اس سے غفلت موجب وبال ہے۔

یہ سطور لکھنے کے چند دنوں بعد نظر ثانی کے موقع پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ایک مضمون اسی سلسلے میں نظر سے گزرا، تو بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے بھی تقریباً یہی بات ارشاد فرمائی ہے، جو احقر نے عرض کی ہے۔ آپ کا یہ مضمون بطور تمہید و تعارف حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ کی کتاب لا جواب ”علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج“ کے ساتھ شائع ہوا ہے اور پھر آپ کے مضامین ”اصلاحی مضامین“ میں بھی شائع کیا گیا ہے، لہذا مناسب معلوم ہوا کہ آپ کا یہ مضمون یہاں بعینہ نقل کر دیا جائے۔ وھو ھذا :

”بعض نے مسلک علماء دیوبند کے جامع اور معتدل ڈھانچے سے صرف کسی ایک جزء کو لیکر بس اسی جزء کو ”دیوبندیت“ کے نام سے متعارف کرایا اور اس کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا۔ مثلاً بعض حضرات نے یہ دیکھ کر کہ حضرات اکابر علماء دیوبند نے ضرورت کے وقت ہر باطل نظریے کی مدلل تردید کر کے اپنا فریضہ ادا فرمایا ہے، بس اسی تردید کو علماء دیوبند کا مسلک قرار دے لیا اور اپنے عمل سے تاثر یہ دیا کہ ”مسلک علماء دیوبند“ صرف ایک منفی تحریک کا نام ہے، جس کے نصب العین میں دین کے مثبت پہلو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ پھر باطل نظریات کی تردید میں بھی مختلف حضرات نے مختلف میدان عمل طے کر لئے، جو تقسیم کار کی حد تک تو درست ہو سکتے تھے؛ لیکن بعض حضرات نے ان میں مبالغہ کر کے مسلک علماء دیوبند کے صرف اپنے میدان عمل کی حد تک محدود ہونے کا تاثر دیا۔ بعض حضرات نے باطل کی تردید کے اصول کو تو اختیار کر لیا؛ لیکن تردید

کے طریقے میں اکابر علماء دیوبند نے جن اصولوں کی پیروی فرمائی تھی، ان کی طرف کما حقہ التفات نہیں کیا اور بعض حضرات کے طرز عمل سے کچھ ایسا تاثر قائم ہوا کہ مسلک علماء دیوبند بھی (خدا نخواستہ) انہی دھڑے بند یوں کا ایک حصہ ہے، جو دنیا میں پھیلی نظر آتی ہیں اور ان کا مسلک یہ ہے کہ اپنے دھڑے کے آدمی کی ہر خطا بھی معاف اور قابلِ دفاع ہے اور باہر کے آدمی کی ہر نیکی بھی دریا برد کرنے کے لائق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلک علماء دیوبند ان تمام بے اعتدالیوں سے بری ہے۔

(اصلاحی مضامین: ۸۴-۸۳)

دوسری اہم تنبیہ یہ ہے کہ ہمارے اکابرین و اسلاف نے بدعات و خرافات کی تردید ہو یا باطل فرقوں کا تعاقب و مقابلہ ہو، حدود شرعیہ و آداب انسانیت کا لحاظ رکھتے ہوئے کیا ہے، ایسا نہیں کہ حدود شرعیہ کو پامال کرتے ہوئے یا انسانی اقدار و اخلاقی حدود کو پھلانگتے ہوئے کیا ہو۔

جیسے بعض حضرات باطل امور و گمراہ فرقوں کی تردید میں بسا اوقات اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم کسی کی جانب کوئی جھوٹ بات منسوب کر رہے ہیں یا یہ کہ گالی و نازیبا الفاظ ان کے حق میں استعمال کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اسلاف کے طریقے کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ بسا اوقات ہماری بات کو بے اثر بنانے میں بھی بڑا رول ادا کرتی ہے۔ اور نہ صرف مخالف کے نزدیک؛ بلکہ خود اپنوں کی نظر میں بھی ہمیں بے وقعت بنا دیتی ہے؛ لہذا ہمیں اس کا لحاظ ضرور کرنا چاہئے کہ نہ حدود شرعیہ ہم سے چھوٹیں اور نہ انسانی اقدار کی پامالی ہو۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب

کی فن اصول تفسیر پر بے مثال جامع عربی تصنیف

”نفحات العبر فی مہمات التفسیر“

ہے، طلباء و علماء اس بات سے ابھی طرح واقف ہیں کہ اس موضوع پر کتابیں یا تو بہت ہی طویل ہیں جن سے استفادہ ایک طالب علم کے لئے دشوار گزار ہوتا ہے یا اتنی مختصر کہ ان کو پڑھنے کے بعد بھی طالب علم کو اس فن کے متعلقہ تمام امور سے وابستگی نہیں ہو پاتی۔ اس موضوع کے حوالہ سے اسی کمی نے حضرت اقدس کو اس کتاب کی تصنیف پر آمادہ کیا۔ یہ کتاب متعلقہ تمام ابواب و عنادین پر مشتمل ہونے بخلاف فیہ مباحث میں ٹھوس علمی رائے قائم کرنے، آسان فہم انداز میں ہونے، نیز محققین و متاخرین مفسرین کے مناجیح و اسالیب اور ان کے علمی کارناموں کے خصائص و امتیازات اور ان کا تجزیہ اور بوقت ضرورت بے لاگ تبصرہ وغیرہ گونا گوں خوبیوں کی وجہ سے اسلامی کتب خانوں میں ایک قابل قدر اضافہ ہے، اس فن کی تقریباً ایک سو چالیس عربی کتابوں کا خلاصہ اور لب لباب ہے، بنابرین ہندوستان اور عرب کے علمی حلقوں کے اساتذہ سے اس کتاب نے خوب داد تحسین حاصل کی۔ اور بقول حضرت مولانا خلیل امینی صاحب کہ ”یہ کتاب عصر حاضر میں اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع اور آسان ہے“۔ یہ کتاب کئی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

اب تک یہ کتاب صرف ہندوستان میں ہی طبع ہوتی رہی؛ لیکن اب الحمد للہ، اللہ کے نبی ﷺ کے شہر مدینہ منورہ میں بھی طبع ہو چکی ہے، جو اس کے ساری دنیا میں مقبول ہونے کی علامت ہے۔

خواہشمند احباب رابطہ کریں۔



حضرت اقدس کی ہر کتاب میں مفت ذائقہ لکھ کر نے ہر مکتبہ کو گراں قدر
معلومات کے اضافہ کیلئے ہماری ویب سائٹ پر وزٹ کیجئے۔

www.muftishuaibullah.com

PUBLISHER



Rs. 150/-

MAKTABA MASEEHUL UMMAT DEOBAND

Khural Gali, Dr Abdurrooof Wali Bad Ziya-ul-Haq,
Deoband - 247504 Mobile: +91-9634307336

MAKTABA MASEEHUL UMMAT BANGALORE

84, Armstrong Road, Bangalore - 560 001 Mobile: +91-9006701512

E-Mail: maktabahmaseehulummat@gmail.com